جلد (۳)، عدد (۵)

ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۲ھ

۷۸۶

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقایق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ (صہ) بیرون ہند کے لئے (سے) قیمت فی پرچہ ۸/ ۸/

قواعد و نرخنامہ اشتہارات

مقدار	ایک ماہ	۳ ماہ	۶ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	لمہ	صعہ	صللعہ	لہ
نصف صفحہ	لے	صلہ	صللہ	صللعہ
ربع صفحہ	للعہ	لہ	ہوعہ	صعہ

۱۔ کوئی خلاف شریعت یا خلاف تہذیب اشتہار شایع نہ کیا جائے گا۔

۲۔ اشتہار کی اشاعت سے پہلے اجرت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے۔

۳۔ صرف وہی چربے قبول کئے جائیں گے جو اس رسالہ کی وضع وہیئت کا لحاظ رکھ کر تیار کئے گئے ہوں۔

۴۔ نرخنامہ میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی جائے گی۔

۵۔ ٹائیٹل کے صفحات کی اجرت عام نرخنامہ کی بہ نسبت ۲۵ فیصدی زیادہ ہوگی۔

فہرست مضامین

اشارات

کچھ مدت ہوئی اخبار ٹائمز آف انڈیا نے اپنی ناظرات سے سوال کیا تھا کہ "کیا تم کو مردوں پر رشک آتا ہے؟" اس کے جواب میں جتنی فرنگی، اور نئی تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کے خطوط اس کو وصول ہوئے ان سب میں بالاتفاق اس سوال کا جواب اثبات میں دیا گیا تھا۔ کوئی ایک عورت بھی ایسی نہ نکلی جو مردوں پر رشک کرنے سے انکار کرتی۔ ہندوستانی عورتوں کا اقرار تو خیر متوقع تھا۔ مگر مغربی عورتوں کی آزادی اور ان کے اوعلے مساوات کو دیکھتے ہوئے، خود ٹائمز کے ایڈیٹر کو بھی امید نہ تھی کہ وہ اس طرح بالاتفاق اپنے رشک کا اقرار کریں گی۔

بعض مغربی خواتین نے اپنے رشک کے وجوہ بھی دل کھول کر بیان کئے ہیں جو ظاہر میں محض دلچسپ مگر حقیقت میں بہت معنی خیز ہیں۔ مثال کے طور پر ایک خاتون لکھتی ہیں:-

ہر عورت کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسے مواقع ضرور پیش آتے ہیں جن میں اس کا دل چاہتا ہے، کہ کاش وہ بھی مرد کو ایک پھوٹی ہوئی آنکھ، ایک دانت ٹوٹا منہ، یا چند ٹوٹی ہوئی پسلیاں دینے کے قابل ہوتی، مگر خواہ وہ کتنی ہی طاقت ور ہو غریب اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکتی۔ جب مرد سے لڑنے کا اتفاق ہوتا ہے، تو صنف ضعیف، بہر حال صنف ضعیف ہی ثابت ہوتی ہے۔

پھر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش ہی سے مرد کو بالادستی حاصل رہی ہے، اور ہماری

تمام فتوحات، کے باوجود مرد آج بھی اپنی قوت کی بنا پر ایک برتر ہستی ہے۔ مختصر یہ کہ وہ مرد ہی ہے جو دنیا پر حکومت کر رہا ہے، اور عورت مجبور ہے کہ دوسرے درجہ پر قناعت کرے"

ایک اور خاتون لکھتی ہیں :۔

میں مرد پر رشک کرتی ہوں اس لئے کہ وہ جسمانی قوت رکھتا ہے وہ آزادی کے ساتھ اپنی فکر آپ کرتا ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ زمانہ کی تاریخ میں اپنے لئے جگہ پیدا کرنے اپنے ولولے، حوصلہ نکالنے، اور شہرت حاصل کرنے کے زیادہ مواقع رکھتا ہے وہ اپنے لئے جو میدان بھی انتخاب کرتا ہے، اس میں اپنی برتری کا سکہ جما کر چھوڑتا ہے خواہ وہ کھیل کا میدان ہو یا علم و فن کا، ادب و نشاط کا ہو، یا ملک داری کا، سیر و سیاحت کا ہو، یا کسی اور ایسی چیز کا جو روئے زمین پر بزرگی رکھتی ہے۔ یہ خیال کہ "لوگ کیا کہیں گے" اس کی راہ میں اگر کچھ مزاحم ہوتا بھی ہے تو بہت کم۔ آخر میں مجھے اس بات پر بھی رشک آتا ہے کہ مرد تو اپنی پسند کی لڑکی کو شادی کا پیغام دینے کا حق رکھتا ہے، اگر یہ حق بیچاری حوا کو کیوں نہیں ہے۔ ؟۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں عورت کے لئے جو حصہ مقرر کیا گیا ہے وہ اس حصہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، جسے اختیار کرنے کی آزادی مرد کو حاصل ہے۔

یہ اُن عورتوں کے خیالات ہیں جن کو نہایت درجہ آزادی کی ہوا میں سانس لینے کا موقع ملا ہے۔ باوجودیکہ انہوں نے ایک ایسے اجتماعی ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں۔ جہاں عورت اور مرد کے درمیان کامل مساوات کا ادعا کیا جاتا ہے، اور بالفعل مساوات قائم کرنے کی کوشش بھی بڑے پیمانہ پر کی گئی ہے، مگر پھر بھی مرد کی

بتریؔ اسی طرح ایک امرِ واقعہ ہے جس طرح ہبوط آدم سے لیکر اب تک رہا ہے۔ اور اس کا احساس نہ صرف مردوں میں موجود ہے، بلکہ عورت بھی اس کی معترف ہے۔

یورپ اور امریکہ کی عورتوں نے زندگی کا کونسا میدان ایسا چھوڑ دیا ہے جس میں مردوں کا مقابلہ نہیں کیا؟ وہ کھیل کود اور ورزش جسمانی کے میدان میں اتریں، کارخانوں اور دفتروں میں دریا، دماغی اور جسمانی محنت کے تمام پیشوں میں مردوں سے حصہ بٹایا، فوج اور پولیس تک کے خالص مردانہ شعبوں میں جگہ حاصل کی، عدالت کی کرسی سے لیکر وزارت اور سفارت کی اہم خدمات تک میں اپنی قابلیت کا سکہ جمانے کی کوشش کی، اور معاشی استقلال حاصل کرکے اس پرانے نظریہ کی دھجیاں بکھیر دیں جو بدو آفرینش سے مسلّم چلا آرہا ہے "یعنی مرد کا کام روزی کمانا اور عورت کا کام گھر سنبھالنا ہے"۔ لیکن ان تمام باتوں کے بعد بھی مرد بدستور حکمران اور بالادست ہے اور عورت اسی طرح محکوم اور زیردست۔

آپ کسی آزاد سے آزاد سوسائٹی میں چلے جایئے اول نظر میں آپ محسوس کرلیں گے عورت اور مرد کے درمیان امتیازی برتاؤ ہو رہا ہے۔ کسی کارخانے یا کسی دفتر میں جایئے آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ عورت کو کمتر موداری اور کمتر مہارت و ذہانت کے کام دیئے جاتے ہیں۔ اور ادنیٰ درجہ کی خدمتوں میں بھی عورت کا معاوضہ مرد کی نسبت کم رکھا گیا ہے۔ کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے پر نظر ڈالئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ اس کو چلانے والا ہاتھ مرد کا ہاتھ ہے۔ اس میں حکمران قوت مرد کی قوت ہے۔ عورت اگر اس میں شریک ہے بھی تو مامور و محکوم کی حیثیت سے ہے نہ آمر و حاکم کی حیثیت سے۔ بغرض آپ کو مغربی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نظر نہ آئے گا جس میں ادعائے مساوات کے علی الرغم، اصلی اور حقیقی نامساوات قائم نہ ہو۔ اور مجموعی طور پر آپ یہی دیکھیں گے ہر جگہ حکومت مرد کی ہے اور عورت کا درجہ ہر جگہ مرد سے فروتر ہے۔

سب سے زیادہ جس ملک میں مساوات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ سوویٹ روس ہے۔ وہاں حکومت نے اپنی پوری قوت ان امتیازی نشانات کو محو کرنے میں صرف کردی ہے جو زندگی کے معاملات میں مرد و زن کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آج بھی روس کی سیاسی پالیسی حکومت کے معاملات صلح و جنگ کے امور، صنعت و تجارت کے کاروبار، علوم و فنون کے ادارے، اسی طرح مرد کے زیر حکم ہیں جس طرح انقلاب سے پہلے تھے۔ حتیٰ کہ معاشرت اور خانگی زندگی تک میں بھی عورت کو مرد کی برابری کا درجہ حاصل نہیں ہوسکا ہے۔ روس کا ایک مشہور مصنف جو مساوات کا پرجوش حامی ہے، بڑے افسوس کے ساتھ لکھتا ہے:۔

"اب تک مرد و زن کی نامساوات کے متعلق متعصبانہ خیالات نہ صرف ان طبقوں میں جو ذہنی اعتبار سے ادنیٰ درجہ کے ہیں، بلکہ اعلیٰ درجہ کے سوویٹ تعلیم یافتہ طبقوں میں بھی نہایت گہرے جمے ہوئے ہیں۔ خود عورتیں بھی ان خیالات سے اس قدر متاثر اور خود گرفتہ ہو چکی ہیں کہ اگر مرد ان سے مردوں کا سا برتاؤ کریں تو وہ اس کو ان کے مرتبہ سے گری ہوئی بات سمجھیں گی۔ بلکہ اسے مردوں کی کمزوری اور نامردی پر محمول کریں گی۔ ہم اس مسئلہ پر خواہ کسی حکیم سے گفتگو کریں، یا مصنف سے، یا کسی مزدور کالج کے طالب علم سے، یا کسی تاجر سے، یا کسی سوقی صدی حامی اشتراکیت سے بہت جلدی ہم پر منکشف ہو جائے گا کہ وہ عورت کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتا۔ دور حاضر کے کسی جدید ترین ناول پر نظر ڈالو۔ خواہ وہ کیسے ہی ترقی یافتہ خیالات رکھنے والے مصنف کا لکھا ہوا کیوں نہ ہو، تم کو جگہ جگہ ایسی عبارتیں یقیناً ملیں گی جن سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ عورت کو مرد کے مقابلے میں ضعیف و لطیف سمجھتا ہے"

ایک دوسری جگہ اس مصنف کو مجبوراً اقرار کرنا پڑا:۔

دنیا میں کسی جگہ مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات قائم کرنے کی اتنی کوشش نہیں کی گئی اور نہ اس باب میں اتنی فراخ حوصلگی کے ساتھ قوانین بنانے کی طرف توجہ

کی گئی، جتنی سوویٹ جمہوریت میں کیگئی ہے تاہم یہ واقعہ ہے کہ خاندان میں عورتوں کی واقعی حیثیت اکتوبر کے انقلاب سے اب تک (یعنی ۱۹۳۴ء تک) بہت کم بدلی ہے، کیونکہ اس معاملہ میں انقلابی اصول ایک نہایت اہم حقیقت سے ٹکرا گئے ہیں۔ یعنی یہ کہ حیاتیات کے اعتبار سے دونوں صنفوں کے درمیان مساوات نہیں ہے، اور فطرت نے دونوں پر جو بار ڈالا ہے وہ یکساں نہیں ہے۔"

حیاتیات اور عضویات کے ماہرین مثلاً اشتائناخ (Steinach) ایٹیاس (Atias) گوڈل (Goodell) لپ شوتس (Lipshutz) سانڈ (Sand) زاوادوفسکی (Zavadovsky) وغیرہ نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ عورت اور مرد اپنی جسمانی استعداد کے مساوی (Equipotential) ہیں۔ مگر یہ کسی تجربہ سے ثابت نہیں ہوا کہ فطرت کی طرف سے دونوں کے نظام جسمانی پر بار بھی یکساں ڈالا گیا ہے اس کو آپ خواہ ظلم کہہ لیجئے، یا حکیمانہ تقسیم کار سے تعبیر کیجئے لیکن اس حقیقت سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ فطرت نے عورت اور مرد کی تخلیق دو بالکل مختلف بنیادوں پر کی ہے اور اس لئے بنیادی طور پر دونوں کے مقاصد حیات اور دائرہ عمل بھی الگ الگ ہو گئے ہیں۔ عورت کے نظام جسمانی کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسے کلیتاً بقاء نوع کی خدمت کے لئے بنایا گیا ہے، اور اس کے برعکس مرد کو بقائے نوع کی خدمت میں سے ایک تھوڑا سا حصہ دے کر، ان دوسرے آلات و قوٰی کی تکمیل میں زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے جو انسانی زندگی کے دوسرے معاملات میں کام آتے ہیں۔ یہ بنیادی فرق اُسی وقت سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ جب رحم مادر میں جنین کے اندر صنفی تشکیل واقع ہوتی ہے۔ اسی لمحہ سے عورت کی تخلیق مرد سے بالکل مختلف اصول پر ہونے لگتی ہے۔ عورت کا سارا جسمانی نظام اس طرح بنایا جاتا ہے کہ وہ بچہ پیدا کرنے اور بچہ کو پرورش کرنے کے لئے مستعد ہو، اور اس کے لحاظ سے اس کے اندر وہ نفسانی خصائص اور رجحانات پیدا

کئے جاتے ہیں جو اس وظیفہ سے مناسبت رکھتے ہیں بخلاف اس کے مرد کے نظام جسمانی میں بہت تھوڑا حصہ بقائے نوع کی خدمت کے لئے رکھ کر، اس کے دوسرے جسمانی آلات اور ذہنی قویٰ کی پرورش زیادہ فیاضی کے ساتھ کی جاتی ہے اور اس کی مناسبت سے اس میں مختلف قسم کے نفسانی خصائص اور رجحانات پیدا کئے جاتے ہیں۔

حیاتی، عضوی اور نفسی اعتبار سے عورت اور مرد کا باہمی فرق ایک فطری فرق ہے فطرت ہی نے عورت کو وہ خدمت سپرد کی ہے جو اندرون خانہ سے زیادہ تعلق رکھتی ہے، اور مرد کو وہ کام دیا ہے جو بیرون خانہ سے زیادہ تعلق رکھتا ہے، فطرت ہی نے عورت پر بقائے نوع کے وظیفہ کا بار ڈال کر اسے دوسرے وظائف حیات کے لئے کمزور کر دیا ہے، اور وہ فطرت ہی ہے جس نے مرد کو خدمت بقائے نوع کے بار سے ایک حد تک سبکدوش کر کے دوسری خدمات کے لئے زیادہ قوت عطا کی ہے۔ پھر یہ فطرت نہیں تو اور کون ہے جس نے اپنے کارخانے کو چلانے کے لئے مرد میں فعلیت اور عورت میں انفعالیت رکھی ہے۔ جس نے مرد کو صلابت اور عورت کو نزاکت عطا کی ہے، جس نے مرد میں اقدام اور اس کے لئے جسارت کا مادہ رکھا ہے اور عورت کو حجب اور اس کے لئے جھجک بخش دی ہے، جس نے مرد کو اس کے طبعی وظائف کا لحاظ کرتے ہوئے تندخو، قاہر، حکومت پسند، مستقل مزاج، قوی العزم اور بطی الحس بنایا، اور عورت کو اس کی مخصوص حیثیت کے اعتبار سے نرم دل، متحمل، منقاد، ذکی الحس، متلون، اور عافیت پسند پیدا کیا؟ مرد و زن کے متضاد خصائص ہی در اصل تمدن و عمران کی اس ساری چہل پہل کے ذمہ دار ہیں جو ہم کو دنیا میں نظر آرہی ہے۔ یہی تضاد و اختلاف کی بدولت عورت اور مرد کے درمیان وہ تعامل ممکن ہوا جو اجتماعی زندگی کی جان ہے؛ اور جس نے آدم و حوا کی اولاد کے لئے زمین کی سکونت کو خوشگوار بنا دیا ہے۔ اگر یہ تضاد نہ ہوتا، اگر مرد و زن کے جذبات، رجحانات نفسی کیفیات، اور طبعی خصائص ایک ہی جیسے ہوتے تو تہذیب و تمدن کی پیدائش تو در کنار، شاید نسل آدم کی

افزائش بھی ممکن نہ ہوتی۔ پھر آخر یہ عقل و حکمت، تجربہ و مشاہدہ، اور احساس و وجدان سب کے خلاف مساوات مرد و زن کا ادعا کس بنا پر ہے؟

انسان کے لئے صحیح اجتماعی نظام وہی ہو سکتا ہے جو فطرت کے منشا اور مقصد کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ اس کو سمجھے بغیر، یا سمجھنے کے باوجود عمداً اس کے خلاف جو طریقے بھی زندگی بسر کرنے کے لئے اختیار کئے جائیں گے ان کا نتیجہ بجز آلام و مصائب اور بالآخر کامل تباہی کے اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ فطرت کا قانون ایک اٹل اور ناقابل تغیر قانون ہے۔ زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات تک میں اس کی رعایت ملحوظ رکھنی ضروری ہے، کجاکہ اس بڑے اور اہم مسئلہ میں، جو انسانی جماعت کے دو مساوی حصوں کے درمیان حدود عمل، فرائض اور ذمہ داریوں کی تقسیم، اور حیات اجتماعی میں ان کے درجات و حیثیات کی تعیین سے تعلق رکھتا ہے۔

اس معاملہ میں مختلف تمدنی نظاموں نے فطرت کے خط استوا سے ہٹ کر افراط اور تفریط کی مختلف راہیں اختیار کی ہیں۔ ایک جانب وہ نظامات ہیں جن میں عورت کو اس کے فطری مرتبے سے محروم کر دیا گیا ہے، اسے ذلیل بے روح نجس قرار دیا گیا ہے، معیشت و معاشرت کے دائرے میں اس کے تمام حقوق چھین لئے گئے ہیں، اس کی طبیعت و فطرت کے مقتضیات سے بالکل صرف نظر کر لیا گیا ہے، اور اسے منجملہ ان املاک کے شمار کیا گیا ہے جو مرد کو حاصل ہوتی ہیں۔ دوسری جانب وہ نظامات ہیں جن میں فطرت کی قائم کی ہوئی امتیازی حدود کو نظر انداز کر کے عورت اور مرد کے درمیان ایک غلط اور خالص غیر فطری مساوات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور عورت کو اس دائرے سے نکال کر جس میں رہنے کے لئے فطرت الٰہی نے اس کو بنایا تھا اس دائرے میں کھینچ لایا گیا ہے جو دراصل مرد کا دائرہ ہے۔

یہ افراط و تفریط دونوں اپنے نتائج ظاہر کر چکی ہیں۔ اور کر رہی ہیں۔ جن قوموں نے تفریط کا پہلو اختیار

کیا ہے وہ عورت کو ذلیل کرنے کے ساتھ خود بھی ذلیل ہو گئیں، کیونکہ جس جماعت کا نصف حصہ ذلیل ہو وہ بحیثیت مجموعی ذلت کے گڑھے میں گرنے سے کیونکر بچ سکتی ہے؟ پھر یہ نصف حصہ بھی کونسا نصف حصہ؟ وہ جو پوری قوم کی نسلوں کا مصدر و منبع، اور تربیت گاہ ہے جس کی درستی پر نسلوں کی درستی، اور جس کی خرابی پر نسلوں کی خرابی مترتب ہوتی ہے پس جو قوم اپنے ایسے نصف حصہ کو پستی کی حالت میں رکھے جس کے بچے ذلیل و خوار ماؤں کے پیٹ سے نکلیں، اور ذلت و خواری کی آغوش میں پلیں بڑھیں، اس کا احساس عزت سے محروم ہو جانا، اور روحانی ذہنی، اور اخلاقی بلندیوں سے گر جانا یقینی ہے۔

اسی طرح جن قوموں نے افراط کا پہلو اختیار کیا ہے وہ عورت کو مردوں کے دائرے میں لا کر اپنے پورے نظام تمدن کو درہم برہم کر چکی ہیں، اور کئے جا رہی ہیں۔ وہ اس پر قادر نہیں ہیں کہ حمل و ولادت، رضاعت تربیت اور تدبیر منزل کی ذمہ داریوں میں عورت کے ساتھ مرد کو بھی برابر کا شریک بنا دیں۔ وہ اس پر بھی قادر نہیں ہیں، کہ عورت کی جبلت کو بدل دیں۔ ان کو اس پر بھی قدرت حاصل نہیں ہے کہ فطرت نے عورت میں جو قابلیتیں اور صلاحیتیں ودیعت نہیں کی ہیں وہ اس میں پیدا کر دیں۔ مگر اس کے باوجود وہ کوشش کر رہی ہیں کہ اس بارگراں کے علاوہ، جو فطرت نے عورت پر ڈال دیا ہے، اور جس میں حصہ لینا مرد کے لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے، عورت پر وہ بار بھی ڈالدیں جو فطری تقسیم کے اعتبار سے صرف مرد کے حصہ میں آیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورت کے لئے بیک وقت دو مختلف قسم کے بار برداشت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایک طرف وہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کے سنبھالنے میں کوتاہی کر رہی ہے جو فطرت نے اس پر عائد کئے تھے، اور اس کی وجہ سے نئی نسلوں کی پیدائش کم ہو رہی ہے۔ تربیت اطفال کا معیار گرتا جا رہا ہے، تدبیر منزل میں خرابیاں واقع ہو رہی ہیں، خاندان اور گھر کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہا، زندگی سے وہ سکون، وہ اطمینان، وہ لطف رخصت ہو گیا ہے اور ہوتا جا رہا ہے جو عورت اور محض گھر والی عورت کے وجود سے حاصل ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف عورت اپنی نسویت کو ساتھ لئے ہوئے سیاست، صنعت و حرفت، اور تجارتی کاروبار کے ہنگامہ زار میں

اترآئی ہے جس کے لئے وہ دراصل پیدا ہی نہیں کی گئی تھی، اور اس کی بدولت نظام معیشت میں ایک زبردست اختلال برپا ہوگیا ہے، جس نے تمام مغربی ممالک کو پریشان کر رکھا ہے۔ نیز سیاسیات میں ایک ایسے عنصر کا اضافہ ہوگیا ہے جو سراسر غیر مطبوع ہے، یعنی استقلال کے بجائے تلون، استحکام کے بجائے سیمابیت اور عقل رزین کے بجائے جذبات مہین۔

افراط اور تفریط کے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک مقام توسط و اعتدال کا ہے جو منشا فطرت کے عین مطابق واقع ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ عورت کو وہ تمام حقوق دیے جائیں جو نوع بشری کا نصف حصہ ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل ہونے چاہئیں، مگر اس امتیاز کو باقی رکھا جائے جو فطرت الٰہی نے عورت اور مرد کے درمیان قائم کیا ہے، عورت کو عزت دی جائے، معیشت و معاشرت میں اس کو حقوق دیئے جائیں اس کے جذبات داعیات، اور طبعی مقتضیات کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھی جائے، مگر سب کچھ اس دائرہ کے اندر ہو جو فطرت نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے، مرد کے دائرے میں قدم رکھنے، اور مرد کے مقام پر آچک آنے کی اس کو اجازت نہ دی جائے اس فرق مراتب کو ہمیشہ باقی رکھا جائے جو نوع بشری کے ان دونوں حصوں میں ان کے خلقی خصائص ان کی طبیعی ذمہ داریوں، اور ان کے فطری حدود عمل کے اعتبار سے رکھا گیا ہے

ٹھیک یہی طریقہ ہے جو اسلام نے اختیار کیا ہے۔ نظام تمدن میں عورت اور مرد کی اضافی حیثیت اور دونوں کے باہمی تعلق کو قرآن مجید نے ایک جامع و مانع فقرے میں بیان کیا ہے، جو اختصار کے باوجود ایک پورے قانون کا اصل الاصول ہے:۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (۲:۲۸)

عورتوں کے لئے معروف طریقے سے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حقوق ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔

اس آیت کریمہ میں ایک طرف تو لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ کہہ کر تفریط کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور دوسری طرف لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کہہ کر افراط کی بھی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ان دونوں پہلوؤں کے درمیان یہ متوسط قاعدہ مقرر کیا گیا کہ انسان ہونے اور انسانی زندگی کے فرائض و واجبات ادا کرنے، اور نظام تمدن کو چلانے میں عورت اور مرد دونوں کا حصہ ہے، اس لئے عورت کو بھی اسی طرح حقوق ملنے چاہییں جس طرح مرد کو حاصل ہیں۔ لیکن چونکہ زندگی کے تمام معاملات میں مرد کا حصہ فطرۃً عورت سے زیادہ ہے، اور مرد کی حیثیت ایک راعی، ایک صاحب امر، ایک مقدم اور پیشوا کی سی ہے اس لئے مرد کو عورت پر فضیلت کا ایک درجہ ضرور حاصل رہنا چاہیے جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے:۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ (۴: ۶)

یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس لئے کہ مرد ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں پس جو نیک عورتیں ہیں وہ فرمانبرداری کرنے والی اور ان کے غیاب میں اس چیز کی حفاظت کرنے والی ہیں جس کی حفاظت کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

پس اگر مرد کی فضیلت اس ایک درجہ سے بڑھا کر اس حد کو پہونچا دی جائے گی کہ وہ عورت کے جائز حقوق بھی سلب کرلے تو یہ "ظلم" اور حدود الٰہی سے تجاوز ہوگا۔ اور اگر عورت کو اس کی جائز حدود سے بڑھا کر مرد کے برابر کر دینے کی کوشش کی جائے گی حتیٰ کہ مرد کے درجہ فضیلت اور اس کی قوامیت میں فرق آجائے تو یہ ایک غیر صالح فعل ہوگا اور اس کو بھی حدود الٰہی سے تجاوز قرار دیا جائیگا۔

یہی اصل پر وہ تمام اخلاقی ہدایات اور شرعی قوانین مبنی ہیں جو اسلام نے عورتوں اور مردوں

کے باہمی تعلق کے باب میں مقرر کئے ہیں۔

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ کی تفسیر یہ ہے کہ عورت کو اپنے مال پر ملکیت کا حق ویسا ہی ہے جیسا مرد کو اپنے مال پر ہے، عورت اپنے مال میں تصرف کرنے کا ویسا ہی حق رکھتی ہے جیسا مرد کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے عورت کو اسی طرح وراثت میں حصہ ملتا ہے جس طرح مرد کو ملتا ہے، اولاد پر ماں کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح باپ کی ہے، شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا ویسا ہی حکم ہے جیسا کہ بیوی کو شوہر کے ساتھ برتنے کی تاکید کی گئی ہے، عورت اور مرد کے لئے حفظ فروج کا حکم یکساں ہے، اور شریعت نے میاں اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرنے کا یکساں حکم دیا ہے۔

اور لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کی تفسیر یہ ہے کہ مرد پر مہر اور نان نفقہ کا بار ہے، عورت پر کوئی بار نہیں، مرد بیک وقت چار نکاح کر سکتا ہے اور عورت صرف ایک، مرد باختیار خود عورت کو طلاق دے سکتا ہے لیکن عورت اگر فسخ و تفریق چاہے تو اس کے لئے قضائے قاضی شرط ہے، عورت پر شوہر کی فرمانبرداری فرض کی گئی ہے، اگر وہ نافرمانی کرے تو شوہر کو سزا دینے کا حق ہے، میراث میں عورت کا حصہ مرد سے کم ہے، قانون شہادت میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔ اور آخر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ عورت کو پردہ کرنے اور گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ وہ مرد کے حدود عمل میں قدم نہ رکھے، اور اپنی تمام توجہ اور کوشش ان فرائض کو ادا کرنے میں صرف کرے جو فطرت نے اس کے سپرد کئے ہیں۔

آج کل مشرقی دماغ، مغرب کے بلند بانگ دعاوی علم و عقل سے اس قدر دہشت زدہ ہو گئے ہیں کہ جس غلط اور سراسر خلاف عقل و حکمت بات کو مغرب نے صحیح سمجھا، اور رواج دے دیا۔ اس کو اہل مشرق نے بھی مسلمات میں داخل کر لیا۔ اور کسی کو اس کے خلاف زبان کھولنے تک کی جرأت نہ ہوئی ہر آیت

جو آسمان مغرب سے نازل ہوئی، زمین مشرق میں اسے ایمانیات کا درجہ حاصل ہو گیا۔ چنانچہ عورتوں اور مردوں کی مساوات، اور عورتوں کی آزادی، اور ان کے حقوق کے متعلق بھی جو خیالات مغرب سے آئے ہیں، ان کو مشرق والوں، حتی کہ مسلمانوں تک نے اس طرح تسلیم کر لیا ہے، گویا کہ وہ ناقابل تردید مسلمات ہیں۔ اچھے اچھے پڑھے لکھے آدمی قرآن و حدیث کی تعلیمات کو کھینچ تان کر ان کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جو اسلام کے ذرا زیادہ پرجوش وکیل ہیں ان کا تو یہ حال ہے کہ ہر مغربی بدعت کو دیکھ کر بے ساختہ ان کی زبانوں سے نکلتا ہے "یہ تو ہمارے ہاں پہلے سے موجود ہے!" اسی مرعوبیت کا اثر ہے کہ ہمارے وکلائے اسلام "لهن مثل الذي عليهن" تو بڑے زور سے کہتے ہیں مگر للرجال عليهن درجة پر پہنچ کر دفعتاً ان کی زبان میں لکنت آجاتی ہے، اور "الرجال قوامون على النساء" کہنے کے لئے تو آج کل بڑی ہمت درکار ہے۔ ان آیات کو توڑ مروڑ کر معنوی تحریفات کرنے کی جو کوششیں کی جاتی ہیں انھیں دیکھ کر عبرت آتی ہے کہ جس قوم کے پاس تمام دنیا کے قوانین سے بہتر اور سب سے زیادہ مطابق فطرت قانون موجود ہے اس کی عقل کو ذہنی غلامی نے کس قدر مخبوط کر دیا ہے۔

کتب سماوی پر ایک نظر

از

جناب ذوقی شاہ صاحب

دہریت اور لامذہبی کے اس دورِ تاریک میں [۱] اللہ کے فضل و کرم سے اب بھی ایسے لوگ اس دنیا میں بکثرت موجود ہیں جو ہستی حق تعالیٰ کے قائل، ضرورت مذہب کے معترف، اور کتب سماوی کے منزل من اللہ ہونے کے معتقد ہیں۔ مگر اس طبقۂ مذہبی کے وہ لوگ جو اپنے آبائی یا ملکی مذہب کی رسمًا یا تقلیدًا کورانہ پابندی پر قانع رہنا پسند نہیں کرتے بلکہ ذاتی تحقیقات سے مذاہب مختلفہ کا مطالعہ و مقابلہ کرکے مذہب حقہ کی تلاش کے درپئے رہتے ہیں، اس تحقیقات کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ جن صحف سماوی کو منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے وہ اپنے اس دعوی میں کس حد تک صادق ہیں۔ اس تحقیقات کے لئے عقل سلیم مندرجہ ذیل امور قابل غور قرار دیتی ہے۔

۱۔ جس کتاب کو منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے وہ حقیقت میں منزل من اللہ ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی صورت و کیفیت نزول کیا تھی اور وہ کب اور کس پر نازل ہوئی؟

۲۔ آج بھی وہ اپنی اصلی اور ابتدائی صورت میں محفوظ ہے یا اس میں لوگوں کی جانب سے ترمیمات و تنسیخات و تغیرات و تبدلات و تحریفات لفظی و معنوی نے دخل پاکر کلامِ اصلی کی صورت کو بدل ڈالا ہے؟

۳۔ آیا اس کتاب کی تعلیمات سے اس کے منزل من اللہ ہونے کی تائید ہوتی ہے اور وہ تعلیمات واضح، صاف اور بنی نوع انسان کے لئے مفید اور کافی بھی ہیں یا نہیں؟

مندرجہ بالا معیار سے ہم ان مشہور و معروف کتابوں پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہیں جن کی بابت منزل من اللہ ہونیکا کسی نہ کسی طبقہ میں دعوی کیا جاتا ہے۔

بائبل سب سے پہلے ہم بائبل کو لیتے ہیں جو علمائے نصاریٰ کے نزدیک مجموعہ ہے اُن صحائف کا جو انبیا بنی اسرائیل پر نازل ہوئے۔ یہ مجموعہ مشتمل ہے عہد عتیق اور عہد جدید پر۔ عہد عتیق میں توریت اور وہ دیگر کتب بھی شامل ہیں جو قبل مسیح علیہ السلام انبیا بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں۔ عہد جدید میں اناجیل اربعہ اور ان کے ساتھ حواریین کے اعمال خطوط اور مکاشفات بھی شامل ہیں۔

مسلمان توریت زبور انجیل اور دیگر انبیا کے صحیفوں کو کلام آلہی اور منزل من اللہ تسلیم کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ توریت موسیٰ علیہ السلام پر۔ زبور داؤد علیہ السلام پر۔ اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی مگر جس قرآن کی رو سے انہوں نے ان کتابوں کا کلام آلہی ہونا جانا اُسی قرآن کی رو سے ان پر یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ بعد میں ان میں تحریفات واقع ہوئیں اور یہ اپنی ابتدائی اور اصلی صورت میں محفوظ نہ رہیں۔

غیر مسلم مذہبی طبقہ کے لئے البتہ اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ پہلے ان کتابوں پر تحقیقی نظر ڈالیں اِن کی سرگذشت سنیں اِن کے ساتھ خود اہل کتاب اور اغیار نے جو سلوک کیا اس کی تفتیش کریں، اِن کتابوں کے مضامین پر غور و خوض کریں، پھر کوئی رائے اِن کے متعلق قائم کریں۔

عہد عتیق موجودہ عہد عتیق میں انتالیس (۳۹) کتابیں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ سترہ^(۱۷) کتابیں ایسی بھی ہیں جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں شامل تھیں مگر اب ان کا کہیں پتہ نہیں گو ان کے حوالے موجود بائبل میں اب بھی موجود ہیں۔ تینتیس^(۳۳) کتابیں ایسی بھی ہیں جو کسی زمانہ میں بائبل کے اس حصہ میں شامل تھیں مگر اب علماء اہل کتاب نے انہیں جعلی قرار دیکر عہد عتیق سے خارج کر دیا ہے۔ بعض کے نزدیک پچپن^(۵۵) کتابیں ایسی ہیں جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں شامل تھیں مگر اب اس مجموعہ سے خارج ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل سے بعد میں بحث کی جائے گی۔ سر دست اون خارجی واقعات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو اب تک بائبل کے ساتھ پیش آچکے ہیں،

سرگذشت توریت اب مسیحیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ توریت پندرہ[۱۵] سو برس قبل مسیح لکھی گئی۔ پیشتر وہ تمام و کمال ایک جلد میں تھی۔ لیکن بقول علمائے عیسوی جب بہتر (۷۲) علمائے ۲۷۷ قبل مسیح میں توریت کا ترجمہ عبرانی سے یونانی زبان میں کیا تو اس ایک کتاب کو پانچ مختلف کتابوں میں تقسیم کر دیا:۔

(۱) پیدائش۔ (۲) خروج۔ (۳) احبار۔ (۴) گنتی۔ (۵) استثناء۔ باب و آیات کی تفصیل مسیح کے بارہ سو چالیس[۱۲۴۰] سال بعد کارڈنل ہوگو نے کی مگر یہ تقسیم کامل نہیں۔ کیونکہ کہیں کہیں معانی کے لحاظ سے اس تفصیل میں ربط باہمی نظر نہیں آتا اور اسی بنا پر طالب علموں کو عیسائی معلمین کی جانب سے ہدایت کی جاتی ہے کہ ان کتابوں کو پڑھیں تو اپنے کو آیات کی قید میں مقید نہ رکھیں بلکہ ہر بات کو حقیقی معنی و ربط کے مطابق دریافت کریں۔ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی کہ علماء یہود و نصاریٰ نے خود توریت کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کن کن شکلوں اور صورتوں میں اُسے تبدیل کیا۔ یہاں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ قدرت نے اس کتاب کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور خارجی مصیبتیں اس پر کیا کیا نازل ہوئیں۔ متعدد بار توریت کے لکھے ہوئے نسخوں پر ایسی ایسی شدید آسمانی بلائیں نازل ہوئیں کہ یہ کتاب بار بار گم ہوئی اور مدتہائے دراز تک لوگوں کی نظروں سے مخفی رہی۔ ذرا تفصیل سنئے:۔

توریت کی پہلی بربادی بقول مسیحی مصنفین کے توریت کی پہلی گم شدگی ۶۹۸ قبل مسیح منسی بادشاہ یہوداہ کے عہد میں واقع ہوئی (دیکھو "احوال کتاب مقدس" حصہ اول۔ باب ۴۸۔ صفحہ ۱۱۷۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۰ء) تقریباً پچھتر (۷۵) برس کی مفقود الخبری کے بعد ۶۲۴ قبل مسیح بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے اچانک اعلان کیا کہ اس نے ہیکل یروشلم میں توریت کی کتاب پائی جس وقت بادشاہ نے اس کتاب کو پڑھوایا تو گھبرا کر اپنے کپڑے پھاڑ دیے (دیکھو دوم سلاطین باب ۲۲۔ آیات ۸ تا ۱۱)۔

اگرچہ عیسائی مصنفین توریت کے پہلی بار گم ہونیکا زمانہ عہد منسی کو قرار دیتے ہیں مگر بائیبل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کیونکہ منسی نے اگر اپنی بدکاری اور بت پرستی کے دور میں توریت کو غائب کیا بھی ہوتا تو وہ تائب ہونے کے بعد اُسے ضرور ظاہر کردیتا اور اُس کے تائب ہونے کی تشریح بائیبل میں موجود ہے۔ (دیکھو دوم تاریخ۔ باب ۳۳) صحیح ترتحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۹۷۱ قبل مسیح رحبام شاہ یہود کی سلطنت کے پانچویں سال سیسق شاہ مصر نے جب یروشلم پر چڑھائی کی اور ہیکل اور یہودی بادشاہ کے گھر کو لوٹا اس وقت توریت ضائع ہوئی۔ اس حساب سے قریب تین سو برس تک توریت غائب رہی (دیکھو اول سلاطین باب ۱۴۔ آیات ۲۵ و ۲۶)۔

بہرحال توریت لوگوں سے ۴۰ یا ۵۰ برس غائب رہی ہو یا قریب ۳۰۰ برس کے، اس میں شک نہیں کہ جب کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے اُس کے دوبارہ ہاتھ آنے کا اعلان کیا تو قوم میں اُس وقت ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو مضامین توریت سے آگاہ ہوتا اور اس امر کی تصدیق کرسکتا کہ اصلی توریت ہاتھ آئی ہے یا کوئی اور کتاب جو غلطی سے توریت سمجھ لی گئی۔ اس نتیجہ پر آنے کے متعدد اور نہایت قوی وجوہ موجود ہیں۔

اگلے زمانہ میں فن طباعت ایجاد نہ ہوا تھا۔ نہ کاغذ کا وجود تھا۔ پتھر، سیسے، یا لکڑی کے تختوں پر عبارتیں کندہ کی جاتی تھیں۔ کلدانی اور بابلی مٹی کی تختیاں بنائی جاتی تھیں اور اُن پر ایک قسم کا رنگ پھیر کر انہیں آگ میں پکالیا جاتا تھا۔ کالدیا بابل نینوا اور مصر میں لوگ انہیں الواح پر شاہی فرامین قوانین سلطنت، اور مختلف علوم و فنون کے متعلق معلومات لکھ لیا کرتے تھے۔ مصریوں نے نیستان وادی نیل کی ایک خاص قسم کی نئے کے مغز سے ایک کاغذ تیار کیا تھا جسے وہ "پیپارس" کہتے تھے مصر شام اور یونان میں اسی کاغذ پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ لیکن جب مصریوں نے اس کاغذ کا اپنے ملک سے ممالک غیر کے لیئے نکاس بند کردیا تو ممالک غیر کے باشندوں نے چمڑے کو صاف کرکے اس پر لکھنا شروع کیا

اس قسم کے چمڑے کو "پارچمنٹ" کہتے ہیں۔ ولادت مسیح سے ایک صدی قبل تک "پارچمنٹ" کا رواج رہا اور صحائف اسی پر لکھے جانے لگے لیکن چونکہ یہ کاغذ قیمتی ہوتا تھا جدید نسخوں کی تحریر کے لئے اکثر قدیم نسخے چھیل ڈالے جاتے تھے یا پرانی روشنائی کو دھو کر جدید تحریر کے لئے چرمی کاغذ صاف کر لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد خس کی وصلی ایجاد ہوئی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں روئی اور ریشم سے کاغذ تیار ہونے لگا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں کپڑے سے کاغذ بنایا گیا۔ ابتدائی زمانہ میں کتابیں کاغذ کے ایک ہی طرف لکھی جاتی تھیں اور لپیٹکر رکھی جاتی تھیں۔ جن کے کھولنے کے لئے بڑی سی جگہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ بعد میں مربع اوراق پر دو طرفہ لکھنے کی رسم جاری ہوئی ہے۔ لوہے کے ڈھلے ہوئے حروف کے ذریعہ طباعت کا فن یورپ میں پندرہویں صدی عیسوی کے وسط میں ایجاد ہوا، اور پتھر کی چھپائی یعنی لیتھوگرافی اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں ایجاد ہوئی۔

مندرجہ بالا حالات کی بنا پر اگلے زمانہ میں کتابوں کا لکھنا اور انہیں حفاظت سے رکھنا بہ نسبت زمانہ حال کے بہت ہی زیادہ دشوار تھا۔ کتابوں کی نقلوں کی وہ کثرت نہ تھی جو آجکل دیکھنے میں آتی ہے۔ ہر کتاب کے نسخے بہت ہی محدود ہوتے تھے اور وہ بھی بڑی دقت سے تیار کئے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ توریت کے نسخوں کی بھی اس زمانہ میں وہ کثرت نہیں ہو سکتی جو آجکل طباعت کی آسانیوں کی بدولت بائیبل کے نسخوں کی نظر آرہی ہے خود بائیبل کے مضامین توریت کے نسخوں کی اس زمانہ میں انتہائی قلت پر دلالت کرتے ہیں۔ جو بات یقینی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے یہ ہے کہ صرف ہیکل میں ایک نسخہ توریت کا رہتا تھا اور تمام بنی اسرائیل وہیں آکر اسے سن لیا کرتے تھے اور وہ بھی ہر سال نہیں بلکہ سات سال کے بعد توریت سکونائی جاتی تھی (دیکھو استثنار۔ باب ۳۱۔ آیات از ۹ تا ۱۳ و ۲۶ و نحمیاہ۔ باب ۸)۔

توریت کے نہ حافظوں کا وجود تھا نہ اس کی کثرت تلاوت کا بنی اسرائیل کو ذوق، نہ اس ذوق کا کوئی سامان۔ بنی اسرائیل کے عام لوگوں کی شرارت اور فتنہ پردازی سے موسیٰ علیہ السلام

خوب اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے توریت کا نسخہ اپنے جانشین یوشع علیہ السلام کو دیا تھا۔ اور فرما دیا تھا کہ اسے ہر ساتویں برس لوگوں کو سنا دیا کریں۔ استثنا باب ۳۱۔ آیت ۱۰۔ میں یہ بھی لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ہر بادشاہ توریت کی ایک نقل اپنے پاس رکھا کرے۔ مگر اس حکم کی تعمیل جاری نہ رہی یا جاری نہ رہ سکی۔ یوشع علیہ السلام کے بعد اکثر اسرائیلی بادشاہ اور امرا بت پرست بن گئے "کاہن شراب خور ہو گئے" اور ساری قوم شدید بدکاری میں مبتلا ہو گئی۔ بلکہ بائبل کے بعض مقامات میں تو معاذ اللہ انبیائے بنی اسرائیل کی بھی شان میں ایسے اتہامات اور گستاخانہ کلمات پائے جاتے ہیں جن سے کوئی مسلمان اتفاق نہیں کر سکتا۔ بہر حال بحیثیت مجموعی قوم بنی اسرائیل کی بے ہودگیاں اور بدکاریاں اس حد تک پہنچ گئیں تھیں کہ قوم سے توریت کی حفاظت نہ ہو سکی اور توریت کا کوئی نسخہ نہ ہیکل میں محفوظ رہ سکا نہ بادشاہ کے پاس چنانچہ جب کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے توریت کا نسخہ یوسیاہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا تو بادشاہ اور ساری قوم کے لوگ مضامین توریت سے اتنے ناواقف تھے کہ مدت کی کھوئی ہوئی توریت کے مضامین سن کر سب کے سب گھبرا گئے اور بادشاہ نے بدحواسی میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ "تعلیم الایمان" مطبوعہ امریکن مشن عیسائیوں کی ایک مستند کتاب ہے جسے پادری روڈلف صاحب نے اپنے اہتمام سے عیسائی عالم و بزرگ ڈاکٹر جان مکڈول صاحب کی انگریزی زبان میں تصنیف کردہ کتاب سے اردو میں ترجمہ کرایا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۹ اور ۲۰ پر صراحت سے یہ ذکر موجود ہے کہ:۔

"منسّی اور اموّن بت پرست بادشاہوں کے عہد میں بائبل کی نقلوں کی اس قدر قلت ہو گئی کہ یوسیاہ بادشاہ نے اپنے سن جلوس کے اٹھارویں برس تک اس کی ایک جلد بھی نہ دیکھی"۔

جب واقعات یہ تھے تو کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ خلقیاہ نے جس کتاب کو پیش کیا وہ حقیقتاً توریت

ہی تھی۔ شریعت موسوی کی رو سے بھی اس تصدیق کے لئے کم از کم دو یا تین گواہوں کی ضرورت تھی (دیکھو استثناء۔ باب ۱۹۔ آیتہ ۱۵) یا تو دو تین شخص ایسے ہوتے جو توریت کے حافظ ہوتے اور گواہی دیتے کہ خلقیاہ کی لائی ہوئی کتاب اصلی توریت سے مطابقت رکھتی ہے۔ یا دو تین گواہ ایسے ہوتے جن کے سامنے خلقیاہ کو وہ کتاب اس طور سے ہاتھ آتی کہ اس کی صداقت میں کسی شبہ کی گنجایش باقی نہ رہتی۔

یہاں یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ دشمنوں کی برباد کی ہوئی کتاب ۵، یا قریب ۳۰۰ برس کے بعد خلقیاہ کے ہاتھ کیونکر آگئی۔ اگر کسی خیر خواہ نے اُسے دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے چھپا رکھا تھا تو وہ اُسے اپنے گھر میں رکھتا نہ یہ کہ ہیکل میں کہیں اِدھر اُدھر پھینک دیتا اور وہ اتنی مدت تک سلامت رہتی۔ اگر بت پرست بادشاہوں نے اُسے کینہ سے چھپانا چاہا تھا تو اُس کا جلا دینا آسان تھا بہ نسبت اُسے زمین میں دفن کر دینے کے۔ اگر زمین ہی میں دفن کیا تھا جیسا کہ اکثر عیسائی مصنفوں کا خیال ہے تو اتنی مدت تک زمین میں دفن کی ہوئی چیز بالخصوص ایک کتاب خاک کیوں نہ ہوگئی اگر ساری کتاب نہیں تو چند اوراق ہی اُس کے بوسیدہ اور ضائع ہوگئے ہوتے۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ اس مدت دراز تک کتاب کے بے احتیاط اور نامعلوم طور پر پڑے رہنے کے بعد بھی اُس کے ایک نقطہ کے جاتے رہنے کا بھی اہل کتاب اقرار نہیں کرتے۔ اگر زمین میں اُسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ بے پروائی کے ساتھ اُسے ہیکل میں کہیں ڈالدیا گیا تھا تو ہیکل کا ایسا کونسا مقام تھا جہاں سالہائے دراز تک وہ کتاب محفوظ پڑی رہی اور ہیکل کے سینکڑوں ہزاروں خدمتگاروں نے اسے نہ دیکھا۔

ان جملہ امور پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ خلقیاہ کی پیدا کردہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی توریت نہ تھی۔ یہ توریت کی پہلی بربادی کا قصہ ہے۔

توریت کی دوسری بربادی | تقریباً چھ سو برس قبل ولادت مسیح بخت نصر تاجدار بابل نے سلطنت یہود پر حملہ کیا۔ یہودیوں کو بے رحمی سے تہ تیغ کیا۔ جو قتل سے بچے انھیں قید کر کے لیگیا اور

بابل میں اسیر رکھا۔ زندہ یہودیوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو اس اسیری سے بچ رہا ہو۔ یرمیاہ باب ۴۴
میں اس واقعہ کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تمنے یہ ساری بلائیں جو میں نے یروشلم اور یہوداہ کے سارے شہروں پر نازل کیں دیکھیں اور دیکھ وے آج کے دن ویران ہیں اور اُن میں ایک بسنے والا بھی نہیں۔"

دوم تواریخ باب ۳۶ میں یہی واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"لیکن اُنہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹے میں اُڑایا اور اُس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اُس کے نبیوں سے بدسلوکی کی یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا۔ تب وہ کس دیو کے بادشاہ کو اُنپر چڑھا لایا۔ اُسنے اُن کے مقدس گھر میں اُن کے جوانوں کو تلوار سے مار ڈالا اور اُس نے نہ کنوارے پر نہ کنواری پر اور نہ بوڑھوں پر بلکہ اُس پر بھی جو بہت بوڑھا تھا رحم نہ کیا۔ خدا نے سب اُسکے قابو میں کر دیا اور وہ خدا کے گھر کے سارے چھوٹے بڑے باسنوں کو اور خدا کے گھر کے خزانے کو اور بادشاہ کے اور اُس کے امیروں کے خزانے کو سب کے سب بابل لیگیا۔ اور انہوں نے خدا کے گھر کو جلا دیا اور یروسلم کی دیوار کو ڈھا دیا اور اُس کے سارے محلوں کو آگ سے جلا دیا اور اُس کی ساری قیمتی چیزوں کو برباد کیا۔ اور وہ انہیں جو تلوار سے بچے بابل کو اسیر کر کے لے گیا اور وہاں وے اُس کے اور اُس کے بیٹوں کے غلام رہے جبتک کہ فارس کی سلطنت شروع نہ ہوئی۔"

یہ لوگ ستر (۷۰) برس بابل میں اسیر رہے۔ جب وہاں سے آزاد ہوئے تو اپنی مادری

زبان تک بھول چکے تھے اور کلدانی زبان کے علاوہ جو نواح بابل میں رائج تھی کسی دوسری زبان سے آشنا نہ تھے۔

اس تباہی کا وقوع ۵۸۶ء قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے قبل خلقیاہ کی پیش کردہ توریت توریت کا نسخہ عبادتخانہ میں رہتا تھا۔ مگر جب بخت نصر نے ہیکل کو لوٹا اور جلایا تو وہ نسخہ بھی ضائع ہو گیا چنانچہ بنی اسرائیل کے بابل سے واپس آنے کے بعد توریت کی تالیف جدید کی ضرورت پیش آئی اور بقول عیسائی علماء کے عزرا کاہن نے صدر مجلس کے مشورہ سے قریب ۴۵۸ء قبل مسیح جدید توریت کو مرتب کرنا شروع کیا۔ توریت کی اس دوسری بربادی کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد جب ازسرنو کتاب کی تیاری شروع ہوئی تو کتاب تیار کرنیوالوں نے کچھ اپنے حافظہ پر اعتماد کر کے کچھ دوسروں کے زبانی بیان پر بھروسہ کر کے جو کچھ فراہم ہو سکا اُس سے توریت کو ایک تصنیفِ جدید کی صورت میں لکھنا شروع کر دیا۔ اُس وقت اگر توریت کا ایک نسخہ بھی کہیں سے ہاتھ آ گیا ہوتا تو اس کی نقل بہ آسانی ہو سکتی تھی، تصنیف جدید کے طور پر اُسے لکھنے کی ضرورت لاحق نہ ہوتی۔ یہ توریت کی دوسری بربادی کا قصہ ہے۔

اسی اسیری بابل کے زمانہ سے یا اس سے بھی پیشتر سے عہدنامے کا وہ صندوق بھی توریت کی طرح گم اور لاپتہ ہے جس میں دو لوحیں جو جناب الٰہی نے موسیٰ علیہ السلام کو لکھدیں تھیں اور من کا ایک مرتبان اور ہارون علیہ السلام کا عصا جس میں شاخیں پھوٹتی تھیں اور دیگر تبرکات رہتے تھے اور جسے بنی اسرائیل اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ بلکہ توریت کا گم ہونا عہدنامے کے صندوق کے گُم ہونے سے بھی قبل سے ثابت ہے۔

توریت کی تیسری بربادی ولادت مسیح سے ایک سو ستر برس قبل انطاکیہ کے یونانی بادشاہ انیٹوکس نے یہودیوں کے مذہب اور اُن کی جداگانہ قومیت کو مٹانے کی غرض سے یروشلم پر بار بار حملے کئے۔

ہیکل کو بے حرمت کیا۔ مقدس صحیفوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلایا۔ یہودیوں کو بت پرستی پر مجبور کیا
جس نے بت پرستی کی رسوم سیکھنے سے انکار کیا اُسے بڑی اذیت سے قتل کیا۔ جن لوگوں نے بادشاہ
کے اعلان کو نہ مانا اُن میں سے جتنے گرفتار ہوئے قتل کئے گئے۔ یکدفعہ چالیس ہزار یہودی قتل ہوئے
اور اتنے ہی غلام بنا کر فروخت کئے گئے ہیکل کا قیمتی نفیس اسباب جس کی قیمت کا تخمینہ چار کروڑ اٹھ لاکھ
ساٹھ ہزار کیا گیا ہے لوٹ لیا گیا۔ بادشاہ اینٹونیس کے سپہ سالار اپلونیوس نے ایک مرتبہ یوم السبت
کو جبکہ سب یہودی عبادت کے لئے ہیکل میں جمع تھے قتل عام شروع کردیا یہانتک کہ اُن لوگوں
کے سوا جو پہاڑوں میں بھاگ گئے یا غاروں میں جا چھپے کوئی سلامت نہ بچا۔ اس موقع پر فوجی سپاہیوں
نے سارے شہر کا مال لوٹ لیا اور متعدد مقامات پر آگ لگادی۔ عالیشان عمارات کو توڑ کر اور
شہر پناہ کی دیوار کو گرا کر کوہ عکہ پر ایک مضبوط قلعہ بنایا گیا اور اُس پر جو سپاہ متعین ہوئے انہیں
یہ حکم دیا گیا کہ جو لوگ ہیکل میں عبادت کے لئے آنے کی جرأت کریں انہیں بیدریغ جان سے مار دیا
جائے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ہیکل کو جوپیٹر کا مندر بنادیا اور اُس دیوتا کی سنگین مورت کو سوختنی
قربانی کے مذبح پر کھڑا کیا (دیکھو عیسائی تصنیف "مفتاح الکتاب مطبوعہ مرزاپور ۱۸۵۶ء صفحہ ۱۳۴
وصفحہ ۱۳۵)۔

متعدد عیسائی مورخین نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اینٹونیس نے یروسلم کو فتح کر کے
عہد عتیق کے جس قدر نسخے اسے دستیاب ہوئے انہیں پھاڑ کر جلا ڈالا۔ اور حکم دیدیا کہ جس کے پاس
اس کتاب کا کوئی نسخہ نکلے یا جو شخص رسم شریعت کو بجالائے وہ قتل کردیا جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل
بلا نہ تفتیش کے بعد برابر ہوتی رہی۔

یہ تیسری بربادی ہے جو کہ توریت مع جملہ کتب عہد عتیق کی وقوع میں آئی۔ اس فتنہ کے فرو
ہونیکے بعد جب یہوداہ مقابیس نے ۱۶۵ ق قبل مسیح میں ہیکل کی مرمت شروع کی اُس وقت اُسنے توریت

وغیرہ کی ایک نقل کسی نہ کسی طرح پیدا کر کے ہیکل میں رکھی۔

توریت کی چوتھی بربادی ۷۰ء میں طیطس (ٹائٹس) شہزادہ روم نے یروشلم کو فتح کر کے غارت کر دیا۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا۔ گیارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کر ڈالا۔ ہزاروں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ تخمینہ ہے کہ کل تیرہ لاکھ ستاون ہزار چھ سو ساٹھ (۱۳۵۷۶۶۰) یہودی اس بلائے عظیم کا شکار ہوئے۔ اور توریت تو ایسی بے نام و نشان ہو گئی کہ اب تک اہل کتاب کو یہ گمان ہے کہ اُسے دارالسلطنت روم میں پہنچا دیا گیا۔ لیکن یہ گمان ہی گمان ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ کیونکہ جب ہیکل کی آتشزدگی کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور لاکھوں مقتولوں کے خون کا سیلاب انسانی ہوش و حواس کو بہائے لیا جاتا تھا اور حرب و ضرب نے شور قیامت برپا رکھا تھا۔ اُس وقت اتنی فرصت کسے تھی جو اس دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں سے ایک کتاب کو بچا نکالتا۔ پادری مریک "کشف الاسرار فی القصص الانبیائے بنی اسرائیل" مطبوعہ ایڈن برگ ۱۸۴۶ء کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ ہیکل کی اس آگ میں چھ ہزار آدمی جل کر ہلاک ہوئے۔ پادری اسکاٹ صاحب اپنی رومن تفسیر کے صفحہ ۱۸۵ پر لکھتے ہیں کہ:۔

> لڑائی سے پیشتر طیطس نے چاہا کہ اُس کو (یعنی شہر کو) اور خاص کر ہیکل کو بچائے اور اس لئے اُس نے یوسف مورخ کو کئی بار یہودیوں کے پاس بھیجا کہ اپنی بغاوت کو چھوڑ دو اور شہر میرے قبضہ میں کر دو میں تم کو معاف کر دونگا اور تمہارا شہر غارت نہ ہوگا۔ مگر یہودیوں نے اس گھمنڈ پر بھروسہ کر کے کہ خدا ہماری طرف ہے اور ہماری شہر پناہ بھی مضبوط ہے اُس کی نہ سُنی اور یہاں تک بڑی جانفشانی اور ہمت سے اس کا مقابلہ کیا کہ آخر کو جب شہر اسکے قبضہ میں آیا تب رومی سپاہ بہت غصہ ہو کر رک نہ سکی اور شہر میں پھیل کر مرد و عورت سبوں کو مار ڈالا اور گھروں میں آگ لگا دی پھر یہودی

لوگ جو پناہ کے لئے ہیکل میں بھاگ گئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ نہ بچیگا۔
تب آپ کئی برامدوں میں آگ لگا دی۔ اس وقت رومی فوج حملہ کرکے ہیکل میں
گھس پڑی اور ایک سپاہی نے بغیر حکم کے ایک مشعل خاص ہیکل کے اندر پھینکی تب
جلد اس میں آگ لگ اٹھی طیطس نے اس کے بجھانے کا حکم کیا لیکن اس زور شور
کی ہلچل میں کون کسکی سنتا تھا۔ سپاہیوں نے ہیکل پر دہاوا کر دیا اور کسی طرح رک نہ سکے"
اس قیامت خیز ہنگامے میں توریت نہ کسی یہودی کے ہاتھ آسکتی تھی نہ پائے تخت روم میں
منتقل ہوسکتی تھی۔ وہ شعلوں ہی کی نذر ہوئی۔ یہ توریت کی چوتھی بربادی کے واقعات ہیں۔

توریت کی پانچویں بربادی واقعات مندرجہ بالا کے تقریباً ۶۰ سال بعد قیصر ہڈرین نے عہد میں یہودیوں کی پھر شامت آئی اور انہوں نے جابجا اپنا اجتماع کرکے رومیوں کے ساتھ پھر ایک جان توڑ مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ قریب پانچ لاکھ کے قتل ہوے۔ بقیہ لوگ شہر سے نکالے گئے اور یروسلم کے ویران کھنڈروں میں بھی انہیں آنے کی اجازت نہ ملی۔ رومیوں کو اس شہر میں بسا دیا گیا اور ہیکل یعنی بیت المقدس کو مسمار کرکے وہاں ہل چلوا دیے گئے پھر اس جگہ جوپیٹر دیوتا کا ایک مندر کھڑا کر دیا گیا اور کوہ کلوری پر وینس دیوی کی مورت رکھدی گئی۔ شہر تک کا نام بدلکر ایلیہ رکھدیا گیا۔

اس سلسلے میں توریت کی پانچویں تباہی واقع ہوئی۔

توریت کی چھٹی بربادی سنہ ۴۰۰ء کے قریب جبکہ رومیوں پر شمال کی جانب سے آئی ہوئی وحشی قوموں نے غلبہ حاصل کر لیا تو موسویت اور مسیحیت کی انتہا درجہ کی بیخکنی ہوئی۔ یہ قومیں بت پرست اور پرلے درجے کی جاہل اور وحشی تھیں۔ جہاں جہاں انکا غلبہ ہوا مدرسوں کتبخانوں علم اور دین کے مکتوبات اور نوشتوں پر تباہیاں اور آتشزدگیاں اور بربادیاں نازل ہوگئیں۔ ایک مدت تک ہر طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلتی گئی اور پرانے ادیان و مذاہب کی بیخکنی ہوتی رہی حتّٰی کہ دفعتاً عرب میں

آفتاب محمدی طلوع ہوا جس نے یک بیک سارا نقشہ بدل دیا۔

متذکرہ بالا وحشی قوم کے دورِ جہالت میں توریت پر چھٹی مرتبہ تباہی نازل ہوی۔

توریت کی ساتویں بربادی سنہ ۶۱۲ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروسلم پر چڑھائی کرکے اسے لے لیا اور نوے ہزار (۹۰۰۰۰) آدمیوں کو قتل کرڈالا۔ اور عیسائیوں کے تمام گرجا گھروں اور متبرک مکانوں کو حتی المقدور ڈھا دیا۔ (دیکھو عیسائی تصنیف "الکتاب کے مقامات المعروف" مطبوعہ مرزاپور سنہ ۱۸۶۰ء صفحہ ۱۹ و ۲۰)۔

اس سلسلہ میں توریت کی ساتویں مرتبہ تباہی واقع ہوی۔ اس موقعہ پر اور اس سے قبل کے موقعہ پر توریت کے ساتھ تباہی میں انجیل بھی شامل ہوگئی و نیز عہد عتیق و عہد جدید کے دیگر صحائف بھی

توریت کی آٹھویں بربادی اس کتاب کی متذکرہ بالا تباہیاں تو وہ ہیں جو اغیار کے ہاتھ سے ہوئیں مگر خود یہودیوں نے بھی اپنی کتابوں کے برباد کرنے میں کمی نہیں کی۔ چنانچہ اس نوع کی بربادیوں کو بحیثیت مجموعی ہم توریت کی آٹھویں بربادی قرار دیتے ہیں۔ پادری گریز اسٹم صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"پیغمبروں کی بہت سی کتابیں ناپید ہوگئیں اس لئے کہ یہودیوں نے غفلت سے مجبورے دینی بعض کتابوں کو کھو دیا اور بعض کو پھاڑ ڈالا اور بعض کو جلا دیا"

ڈاکٹر کنی کاٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ عہد عتیق کے تمام عبرانی قلمی نسخے جن کا موجود ہونا آپ ہمکو معلوم ہے ایک ہزار اور ایک ہزار چار سو ساون برس کے درمیان کے لکھے ہوئے ہیں اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ تمام قلمی نسخے جو سات سو یا آٹھ سو برس پیشتر کے لکھے ہوئے تھے یہودیوں کی سنٹ (یعنی مجلس امرار) کے بعض حکموں کے بموجب معدوم کر دیئے گئے تھے بوجہ اس کے کہ ان نسخوں میں بہت اختلاف تھا ان نسخوں کے ساتھ جنکا نسخہ خالص گنا جاتا تھا بشپ والٹن صاحب بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سبب سے چھ سو برس کے نسخے ہمارے پاس چند ہیں اور سات سو یا آٹھ سو برس کے نسخے بہت کمیاب ہیں۔

خود اہل کتاب نے بائبل کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اسپر تفصیلی بحث انشاء اللہ آئندہ اشاعتوں میں کی جائیگی۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

(۱۰)

ایمان

اب تک ایمانیات خمسہ پر بحیثیت مجموعی نظر کی گئی ہے اب تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہیئے کہ ان پانچوں امور میں سے ہر ایک کے متعلق اسلام نے کیا عقاید پیش کئے ہیں؟ ہر عقیدہ کی ضرورت و مصلحت کیا ہے؟ انسان کی قوت فکری پر اس کا کیا اثر مترتب ہوتا ہے؟ اور ذہن میں اس کے جم جانے سے کس طرح ایک صالح اور پائیدار مستحکم سیرت کی تشکیل و تعمیر ہوتی ہے؟

۱۔ ایمان باللہ

ایمان باللہ کی اہمیت اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز ایمان باللہ ہے۔ باقی جتنے اعتقادات و ایمانیات ہیں سب اسی ایک اصل کی فرع ہیں اور جتنے اخلاقی احکام اور تمدنی قوانین ہیں سب اسی مرکز سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ یہاں جو کچھ بھی ہے۔ اس کا مصدر اور مرجع خدا کی ذات ہے۔ ملائکہ پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے ملائکہ ہیں، کتابوں پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کی نازل کی ہوئی ہیں، رسولوں پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں، یوم آخر پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے انصاف کا دن ہے۔ فرائض۔ اس لئے فرائض ہیں کہ خدا نے ان کو مقرر کیا ہے حقوق اس لئے حقوق ہیں کہ وہ خدا کے حکم پر مبنی ہیں اوامر کا امتثال اور نواہی سے اجتناب اس لئے ضروری ہے کہ وہ خدا کی جانب سے ہیں۔ غرض ہر چیز جو اسلام میں ہے، خواہ وہ عقیدہ ہو یا عمل، اس کی بنا صرف ایمان باللہ پر قائم ہے۔ اس ایک چیز کو الگ کر دیجئے، پھر نہ ملائکہ کوئی چیز ہیں، نہ یوم آخر، نہ رسول اتباع کے مستحق ٹھیرتے ہیں نہ ان کی لائی ہوئی کتابیں، نہ فرائض و طاعات میں کوئی معنویت باقی رہ جاتی ہے۔

نہ حقوق وواجبات ہیں، نہ اوامر ونواہی کسی قوت نفاذ کے حامل رہتے ہیں، اور نہ ضوابط وقوانین۔ اس ایک مرکز کے ہٹتے ہی یہ سارا کا سارا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔ بلکہ سرے سے اسلام ہی کسی چیز کا نام نہیں رہتا۔

ایمان باللہ کا تفصیلی عقیدہ یہ عقیدہ جو اس عظیم الشان فکری وعملی نظام میں مرکز اور منبع قوت کا کام دے رہا ہے، محض اسی قدر نہیں ہے کہ "اللہ تعالیٰ موجود ہے" بلکہ وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک مکمل اور صحیح تصور (جس حد تک انسان کے لئے ان کا تصور ممکن ہے) رکھتا ہے، اور اسی تصورِ صفات سے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو انسان کی تمام فکری اور عملی قوتوں پر محیط اور حکمران ہوجاتی ہے۔ محض ہستی باری کا اثبات وہ چیز نہیں ہے جسے اسلام کی امتیازی خصوصیت کہا جاسکتا ہو۔ اس لئے کہ دوسری ملل ونحل نے بھی کسی نہ کسی طور سے باری تعالیٰ کے وجود کا اثبات کیا ہے۔ البتہ جس چیز نے اسلام کو تمام مذاہب وادیان سے ممتاز کردیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ اس نے صفات باری کا صحیح، مکمل اور مفصل علم بخشا ہے، اور پھر اسی علم کو ایمان بلکہ اصل ایمان بنا کر اس سے تزکیۂ نفس، اصلاح اخلاق، تنظیم اعمال، نشر خیر ومنع شر اور بنائے تمدن کا اتنا بڑا کام لیا ہے، جو دنیا کے کسی مذہب وملت نے نہیں لیا۔

ایمان باللہ کی مجمل صورت جس کے اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کو دخولِ اسلام کی پہلی اور لازمی شرط قرار دیا گیا ہے، کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے یعنی دل سے اس امر کی تصدیق اور زبان سے اس امر کا اعتراف کہ "الٰہ" بجز اس ایک ہستی کے اور کوئی نہیں ہے جس کا نام اللہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ "الوہیت" کو کائنات کی جملہ اشیاء سے سلب کرکے، صرف ایک ذات کے لئے ثابت کیا جائے، اور ان تمام جذبات، تخیلات، اعتقادات اور عبادات وطاعات کو جو "الوہیت" کے لئے مخصوص ہیں، اسی ایک ذات سے متعلق کردیا جائے۔ اس مجمل کلمہ کے اجزار ترکیبی تین ہیں۔

ایک الوہیت کا تصور۔

دوسرے تمام اشیاء سے اس کی نفی۔

تیسرے صرف اللہ کے لیے اس کا اثبات۔

قرآن مجید میں خدا کی ذات و صفات کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، وہ سب انہی تینوں امور کی تفصیل ہے۔

اولاً اس نے "الوہیت" کا ایک ایسا مکمل اور صحیح تصور پیش کیا ہے جو دنیا کی کسی کتاب اور کسی مذہب میں ہم کو نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ تمام قوموں اور ملتوں میں یہ تصور کسی نہ کسی طور پر موجود ہے، لیکن ہر جگہ غلط یا نامکمل ہے۔ کہیں "الوہیت" نام ہے محض اولیت اور واجبیت کا، کہیں اس سے محض مبدأیت مراد لی گئی ہے، کہیں اس کو قوت اور طاقت کا ہم معنی سمجھا گیا ہے کہیں وہ محض خوف اور ہیبت کی چیز ہے، کہیں وہ صرف محبت کا مرجع ہے کہیں اس کا مفہوم محض رفع حاجات اور اجابت دعوات ہے پھر کہیں وہ قابل تجزیہ و تقسیم ہے، کہیں اس کو تجسیم اور تشبیہ سے آلودہ کیا گیا ہے، کہیں وہ اپنا کام کر کے معطل ہو چکی ہے، کہیں وہ آسمانوں پر متمکن ہے، اور کہیں وہ انسانی بھیس بدل کر زمین پر اتر آئی ہے ان تمام غلط یا ناقص تصورات کی تصحیح اور تکمیل جس کتاب نے کی ہے وہ صرف قرآن ہے۔ اسی کتاب نے الوہیت کی تقدیس و تمجید کی ہے اسی نے بتایا ہے کہ "الٰہ" صرف وہی ہو سکتا ہے جو بے نیاز، صمد اور قیوم ہو، جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے، جو قادر مطلق اور حاکم علی الاطلاق ہو، جس کا علم سب پر محیط، جس کی رحمت سب پر وسیع، جس کی طاقت سب پر غالب ہو، جس کی حکمت میں کوئی نقص نہ ہو، جس کے عدل میں ظلم کا شائبہ تک نہ ہو، جو زندگی بخشنے اور وسائل حیات مہیا کرنے والا ہو، جو نفع و ضرر کی ساری قوتوں کا مالک ہو، اس کی بخشش اور نگہبانی کے سب محتاج ہوں، اسی کی طرف تمام مخلوقات کی بازگشت ہو، وہی سب کا حساب لینے والا ہو، اور اسی کو جزا و سزا کا اختیار ہو۔ پھر یہ الوہیت کی صفات نہ تجزیہ و تقسیم کے قابل ہیں کہ ایک وقت میں بہت سے "الٰہ" ہوں اور وہ ان صفات یا ان کے ایک ایک حصہ سے متصف ہوں،

نہ یہ وقتی اور زمانی ہیں کہ کبھی ایک "آلہ" ان سے متصف ہو، اور کبھی نہ ہو، نہ یہ قابل انتقال کہ آج ایک "آلہ" میں پائی جائیں اور کل دوسرے میں۔

الوہیت کا یہ کامل اور صحیح تصور پیش کرنے کے بعد قرآن اپنے انتہائی زور بیان کے ساتھ ثابت کرتا ہے کہ کائنات کی جتنی اشیاء اور جتنی قوتیں ہیں ان میں سے کسی پر بھی یہ مفہوم راست نہیں آتا۔ تمام موجودات عالم محتاج ہیں، مسخر ہیں، کائن وفاسد ہیں، نافع وضار ہونا تو درکنار خود اپنی ذات سے ضرر کو دفع کرنے پر قادر نہیں ہیں، ان کے افعال اور ان کی تاثیرات کا سرچشمہ ان کی اپنی ذات میں نہیں ہے بلکہ وہ سب کی سب کہیں اور سے قوت وجود، قوت فعل اور قوت تاثیر حاصل کرتی ہیں، لہٰذا کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں جو "الوہیت" کا شائبہ بھی اپنے اندر رکھتی ہو، اور جس کو ہماری نیازمندیوں میں سے کسی ایک حصہ کا بھی حق پہنچتا ہو۔

اس نفی کے بعد وہ ایک ذات کے لئے "الوہیت" ثابت کرتا ہے جس کا نام اللہ ہے اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ سب کو چھوڑ کر اسی پر ایمان لاؤ، اسی کے آگے جھکو، اسی کی تعظیم کرو اسی سے محبت کرو، اسی سے خوف کرو، اسی سے امید رکھو، جو کچھ مانگو اسی سے مانگو، ہر حال میں اسی پر توکل کرو اور ہمیشہ یاد رکھو کہ ایک دن اس کے پاس واپس جانا ہے، اس کو حساب دینا ہے، اور تمہارا اچھا یا برا انجام اسی کے فیصلہ پر منحصر ہے۔

ایمان باللہ کے اخلاقی فواید صفات الٰہی کے اس تفصیلی تصور کے ساتھ جو ایمان باللہ انسان کے دل میں راسخ ہو جائے وہ اپنے اندر ایسے غیر معمولی فوائد رکھتا ہے، جو کسی دوسرے اعتقاد سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

وسعت نظر ایمان باللہ کا پہلا خاصہ یہ ہے کہ وہ انسان کے زاویہ نظر کو اتنا وسیع کر دیتا ہے جتنی خدا کی غیر محدود سلطنت وسیع ہے، انسان جب تک دنیا کو اپنے نفس کے تعلق کا اعتبار کرتے ہوئے

دیکھتا ہے اس کی نگاہ اسی تنگ دائرے میں محدود رہتی ہے جس کے اندر اس کی قدرت اس کا علم، اور اس کے مطلوبات محدود ہیں۔ اسی دائرے میں وہ اپنے لیے حاجت روا تلاش کرتا ہے، اسی دائرے میں جو قوت والے ہیں ان سے ڈرتا اور دبتا ہے اور جو کمزور ہیں ان پر فوقیت جتاتا ہے، اسی دائرے میں اس کی دوستی اور دشمنی، محبت اور نفرت، تعظیم اور تحقیر محدود رہتی ہے جس کے لئے بجز اس کے اپنے نفس کے اور کوئی معیار نہیں ہوتا۔ لیکن خدا پر ایمان لانے کے بعد اس کی نظر اپنے ماحول سے نکل کر تمام کائنات پر پھیل جاتی ہے۔ اب وہ کائنات پر اپنے نفس کے تعلق سے نہیں بلکہ خداوند عالم کے تعلق سے نگاہ ڈالتا ہے۔ اب اس وسیع جہان کی ہر چیز سے اس کا ایک اور ہی رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اب اس کو ان میں کوئی حاجت روا، کوئی قوت والا ...... کوئی ضار یا نافع نظر نہیں آتا۔ اب وہ کسی کو تعظیم یا تحقیر، خوف یا امید کے قابل نہیں پاتا، اب اس کی دوستی، یا دشمنی، محبت یا نفرت اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے .... ہوتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ میں جس خدا کو مانتا ہوں وہ صرف میرا یا میرے خاندان یا میری قوم ہی کا خالق اور پروردگار نہیں ہے بلکہ خالق السمٰوات والارض، اور رب العالمین ہے، اس کی حکومت صرف میرے ملک تک محدود نہیں بلکہ وہ مالک ارض وسما اور رب المشرق والمغرب ہے اس کی عبادت صرف میں ہی نہیں کر رہا ہوں بلکہ زمین و آسمان کی ساری چیزیں اُسی کے آگے جھکی ہوئی ہیں۔ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (۳ : ۹) اور سب اُسی کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ (۱۷ : ۵) اس لحاظ سے جب وہ کائنات کو دیکھتا ہے تو کوئی اس کو غیر نظر نہیں آتا۔ سب اپنے ہی اپنے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی ہمدردی، اس کی محبت، اس کی خدمت کسی ایسے دائرے کی پابند نہیں رہتی جس کی حدبندی اس کے اپنے نفس کے تعلقات کے لحاظ سے کی گئی ہو۔

پس جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی تنگ نظر نہیں ہو سکتا۔ اس کی وسیع المشربی کے لئے بین "الملت" کی اصطلاح بھی تنگ ہے۔ اس کو تو حقیقت میں "آفاقی" اور "کائناتی" کہنا چاہئے۔

عزت نفس پھر یہی ایمان باللہ انسان کو پستی و ذلت سے اٹھا کر خودداری و عزت نفس کے بلند ترین مدارج پر پہنچا دیتا ہے۔ جب تک اس نے خدا کو نہ پہچانا تھا، دنیا کی ہر طاقتور چیز، ہر نفع یا ضرر پہنچانے والی چیز، ہر شاندار اور بزرگ چیز کے سامنے جھکتا تھا اس سے خوف کھاتا تھا، اس کے آگے ہاتھ پھیلاتا تھا، اس سے امیدیں وابستہ کرتا تھا۔ مگر جب اس نے خدا کو پہچانا تو معلوم ہوا کہ جن کے آگے وہ ہاتھ پھیلا رہا تھا وہ خود محتاج ہیں، يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ (۱۷: ۶) جن کی وہ بندگی کر رہا تھا وہ خود اسی کی طرح بندے ہیں۔ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ (۷: ۲۴) جن سے وہ مدد کی امیدیں رکھتا تھا وہ اس کی مدد تو درکنار آپ اپنی ہی مدد نہیں کر سکتے۔ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ (۷: ۲۴) حقیقی طاقت کا مالک تو خدا ہے، أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (۲: ۲۰) وہی حکمران اور صاحب امر ہے إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (۶: ۷) حامی و مددگار اس کے سوا کوئی نہیں وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (۲: ۱۳) مدد اسی کی جانب سے ہوتی ہے، وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔ (۳: ۱۳) رزق دینے والا وہی ہے، إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (۵۱: ۳) زمین و آسمان کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (۴۲: ۲) مارنے اور جلانے والا وہی ہے، اس کے اذن کے بغیر نہ کوئی کسی کو مار سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (۳: ۱۵) وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ (۳: ۱۷) نفع و ضرر پہنچانے کی اصلی طاقت اسی کے ہاتھ میں ہے، وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ (۱۰: ۱۱) یہ علم حاصل ہونے کے بعد وہ

تمام دنیا کی قوتوں سے بے نیاز اور بے خوف ہو جاتا ہے۔ خدا کے سوا اس کی گردن کسی کے آگے نہیں جھکتی۔ خدا کے سوا اس کا ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلتا، خدا کے سوا کسی کی عظمت اس کے دل میں نہیں رہتی، اور نہ خدا کو چھوڑ کر وہ کسی دوسرے سے امیدیں وابستہ کرتا ہے۔

انکسار و تخشع لیکن یہ خودداری وہ جھوٹی خودداری نہیں ہے جو اپنی قوت، دولت، یا قابلیت کے گھمنڈ کا نتیجہ ہوتی ہے، یہ عزت نفس وہ عزت نفس نہیں ہے جو ایک برخود غلط انسان میں نخوت، غرور اور تکبر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ یہ نتیجہ ہے خدا کے ساتھ اپنے اور تمام موجودات عالم کے تعلق کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کا، اس لئے خدا پر ایمان رکھنے والے میں خودداری انکسار کے ساتھ، اور عزت نفس خشوع وخضوع کے ساتھ ہم رشتہ ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ خدا کی طاقت کے سامنے میں بالکل بے بس ہوں۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (۶ : ۸) خدا کی فرمانروائی سے نکلنا میرے اور کسی ہستی کے بس میں نہیں ہے، يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا، لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (۵۵ : ۳) میں کیا، تمام عالم خدا کا محتاج ہے اور خدا بے نیاز ہے، وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (۴۷ : ۴) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے خدا کا ہے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (۲ : ۴۰) اور مجھے بھی جو نعمت ملی ہے خدا سے ملی ہے وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (۱۶ : ۷) اس عقیدے کے بعد غرور و تکبر کہاں رہ سکتا ہے، ایمان باللہ کا تو خاصہ لازم یہ ہے کہ وہ انسان کو سراپا انکسار بنا دیتا ہے

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۲۵ : ۹)۔

خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جہلا ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو وہ سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں

غلط توقعات کا ابطال خالق اور مخلوق کے تعلق کی صحیح معرفت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ

اس سے ان تمام غلط توقعات اور جھوٹے بھروسوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے جو عدم معرفت کا نتیجہ ہیں، اور انسان خوب سمجھ لیتا ہے کہ اس کے لئے اعتقاد صحیح اور عمل صالح کے سوا فلاح ونجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جو لوگ اس معرفت سے محروم ہیں۔ ان میں سے کوئی سمجھتا ہے کہ خدا کے کاموں میں بہت سے اور چھوٹے چھوٹے خدا بھی شریک ہیں، ہم ان کی خوشامد کرکے سفارش کرالیں گے۔ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (۱۰:۲) کوئی سمجھتا ہے کہ خدا بیٹا رکھتا ہے اور اس بیٹے نے ہمارے لئے کفارہ بن کر نجات کا حق محفوظ کر دیا ہے، کوئی سمجھتا ہے کہ ہم خود اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۤؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۤؤُهٗ (۵:۳) ہم خواہ کچھ کریں ہمیں سزا نہیں مل سکتی ایسی ہی اور بہت سی غلط توقعات ہیں جو لوگوں کو ہمیشہ گناہ کے چکر میں پھنسائے رکھتی ہیں، کیونکہ وہ ان کے بھروسہ پر اپنے نفس کی پاکیزگی اور عمل کی اصلاح سے غافل ہوجاتے ہیں لیکن قرآن جس ایمان باللہ کی تعلیم دیتا ہے اس میں غلط توقعات کے لئے کوئی گنجایش نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کوئی قوم خدا کے ساتھ اختصاص نہیں رکھتی، سب اس کے مخلوق ہیں اور وہ سب کا خالق بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (۵:۳) بزرگی اور اختصاص جو کچھ ہے تقویٰ کی بنا پر ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (۴۹:۲) خدا نہ اولاد رکھتا ہے نہ کوئی اس کا شریک و مددگار ہے، لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ (۱۷:۱۲)۔ جن کو تم اس کی اولاد یا اس کا شریک سمجھتے ہو وہ سب اس کے بندے اور غلام ہیں۔ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (۲:۴) کسی میں جرأت نہیں کہ اس کے اذن کے بغیر سفارش کرسکے مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (۲:۳۴) اگر تم نافرمانی کروگے تو کوئی سفارشی اور کوئی مددگار تمہیں اس کی پاداش سے نہ بچاسکے گا۔ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۤءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (۱۳:۲)

رجائیت اور اطمینان قلب اسی کے ساتھ ایمان باللہ انسان میں ایک ایسی رجائی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو کسی حال میں مایوسی اور شکستہ دلی سے مغلوب نہیں ہوتی۔ مومن کے لئے ایمان امیدوں کا ایک لازوال خزانہ ہے جس سے قوت قلب وتسکین روح کی دائمی اور غیر منقطع رسد اس کو پہنچتی رہتی ہے۔ چاہے وہ دنیا کے تمام دروازوں سے ٹھکرا دیا جائے، سارے اسباب کا رشتہ ٹوٹ جائے وسائل و ذرائع ایک ایک کرکے اس کا ساتھ چھوڑ دیں، مگر ایک خدا کا سہارا اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا، اور اس کے بل پر وہ ہمیشہ امیدوں سے لبریز رہتا ہے۔ اس لیے کہ جس خدا پر وہ ایمان لایا ہے وہ کہتا ہے کہ میں تمہارے قریب ہوں اور تمہاری پکار کو سنتا ہوں۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيبٌ اُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲: ۲۳) مجھ سے ظلم کا خوف نہ کرو کہ میں ظالم نہیں ہوں۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (۳: ۱۹) بلکہ میری رحمت کے امیدوار رہو کہ میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (۷: ۹) میری رحمت سے مایوس تو وہ ہوتے ہیں جو مجھ پر ایمان نہیں رکھتے اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (۱۲: ۱۰) رہا مومن تو اس کے لئے مایوسی کا کوئی مقام نہیں اگر اس نے کوئی قصور کیا ہو تو مجھ سے معافی مانگے، میں اس کو معاف کروں گا۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (۴: ۱۶) اور قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ (۳۹: ۶) اگر دنیا کے اسباب اس کا ساتھ نہیں دیتے تو وہ ان پر بھروسہ چھوڑ کر میرا دامن تھام لے، پھر خوف و حزن اس کے پاس بھی نہ بھٹکے گا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (۴۱: ۴) میری یاد وہ چیز ہے جس سے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱۴ : ۴)

صبروتوکل پھر یہی رجائیت ترقی کر کے صبرو استقامت اور توکل علی اللہ کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جاتی ہے، جہاں مومن کا دل ایک سنگین چٹان کی طرح مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے اور ساری دنیا کی مشکلیں، دشمنیاں، تکلیفیں، مضرتیں اور مخالف طاقتیں مل کر بھی اس کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتیں یہ قوت انسان کو بجز ایمان باللہ کے اور کسی ذریعے سے حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتا اس کا بھروسہ ان مادی یا وہمی اسباب و وسائل پر ہوتا ہے جو خود کسی طاقت کے مالک نہیں ہیں۔ ان کے بل پر جینے والا گویا تارِ عنکبوت کا سہارا لیتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (۹ : ۴) ایسے کمزور سہاروں پر جس کی زندگی کا مدار ہو اس کا کمزور ہو جانا تو یقینی ہے ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (۲۲ : ۱۰) مگر جس کا بھروسہ خدا پر ہے جس نے خدا کا دامن تھام لیا ہے، اس کا سہارا ایسا مضبوط ہے کہ وہ کبھی ٹوٹ ہی نہیں سکتا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (۲ : ۳۴)۔ اس کے ساتھ تو رب السموٰت والارض کی طاقت ہے اس پر کونسی طاقت غالب آسکتی ہے؟ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ (۳ : ۷۰) اس کو تو تمام جہان کی مصیبتیں مل کر بھی صبر و ثبات پامردی و استقامت کے مقام سے نہیں ہٹا سکتیں کیونکہ اس کے نزدیک سب برا اور بھلا اللہ کی طرف سے ہے، قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (۴ : ۱۱) جو مصیبت بھی آتی ہے تقدیرِ الٰہی کے تحت آتی ہے اور اس کا ٹالنے والا بھی بجز اللہ کے کوئی نہیں ہے قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (۹ : ۷)

انبیاء علیہم السلام نے جس فوق البشری قوت سے دنیا کی ہولناک مصیبتوں کا مقابلہ کیا

تن تنہا بڑی بڑی سلطنتوں اور طاقتور قوموں سے نبرد آزما ہوئے، اسباب دنیوی کے بغیر دنیا کو مسخر کرنے کا عزم لیکر اٹھے، اور مشکلات کے طوفانوں میں بھی اپنے مشن سے نہ ہٹے، وہ یہی صبر و توکل کی قوت تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو دیکھئے اپنے ملک کے جبار فرمانروا سے مناظرہ کرتے ہیں، بے خوف آگ میں کود پڑتے ہیں، اور آخر اِنِّی ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ کہہ کر کسی سر و سامان کے بغیر وطن سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ہودؑ کو دیکھئے کس طرح عاد کی زبردست قوت کو چیلنج دیتے ہیں۔

فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ — تم سب مل کر اپنی چالیں چل دیکھو اور مجھے ہرگز مہلت
اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ — نہ دو۔ میں تو اس خدا پر بھروسہ کر چکا ہوں جو میرا اور
مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا — تمہارا رب ہے۔ کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی
(۱۱: ۵) چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔

حضرت موسیٰؑ کو دیکھیے۔ خدا کے بھروسے پر فرعون کی زبردست طاقت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ قتل کی دھمکی دیتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ میں ہر متکبر کے مقابلہ میں اس کی پناہ لے چکا ہوں جو میرا اور تم سب کا رب ہے اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ (۴۰: ۳) مصر سے نکلتے وقت فرعون اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ ان کا پیچھا کرتا ہے، ان کی بزدل قوم گھبرا کر کہتی ہے کہ دشمنوں نے ہمکو آلیا اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ مگر وہ انتہائی سکون قلب کے ساتھ کہتے ہیں ہرگز نہیں، اللہ میرے ساتھ ہے، وہی مجھ کو سلامتی کی راہ پر لگا دے گا۔ كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (۲۶: ۴) سب سے آخر میں نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھئے۔ ہجرت کے موقع پر ایک غار میں تشریف رکھتے ہیں، صرف ایک رفیق ساتھ ہے، خون کے پیاسے کفار سر پر آپہنچے ہیں۔ مگر آپ اس وقت بھی مضطرب نہیں ہوتے۔ اپنے ساتھی سے فرماتے ہیں۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (۹: ۶) "ہرگز نہ گھبراؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ یہ ناقابل تسخیر قوت، یہ آہنی عزم، یہ پہاڑ کی سی استقامت، بجز ایمان باللہ

کے اور کس چیز سے حاصل ہو سکتی ہے؟

شجاعت اسی سے ملتی جلتی ایک اور صفت بھی ہے جو ایمان باللہ سے غیر معمولی طور پر پیدا ہوتی ہے یعنی جرأت و بسالت اور شجاعت و شہامت۔ انسان کو دو چیزیں بزدل بناتی ہیں ایک محبت جو وہ اپنی جان، اپنے اہل و عیال اور اپنے مال سے رکھتا ہے۔ دوسرے خوف جو نتیجہ ہے اس غلط اعتقاد کا کہ نقصان پہنچانے اور ہلاک کر دینے کی قوت دراصل ان اشیاء میں ہے جو محض آلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ ایمان باللہ ان دونوں چیزوں کو دل سے نکال دیتا ہے۔ مومن کے رگ وپے میں یہ اعتقاد سرایت کر جاتا ہے کہ خدا سب سے زیادہ محبت کا حق رکھتا ہے، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲: ۲۰) اس کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ مال اور اولاد سب دنیا کی زینتیں ہیں جن کا کبھی نہ کبھی ضائع ہونا یقینی ہے، کبھی نہ ضائع ہونے والی چیز وہ ہے جو خدا کے ہاں ملے گی۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (۱۸: ۶) دنیا کی زندگی تو محض چند روزہ ہے۔ اس کو ہم بچانے کی لاکھ کوشش کریں، موت بہرحال ایک دن آکر رہے گی۔ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ (۴۲: ۱) اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (۴: ۱۱) پھر کیوں نہ اس جان کو اس دائمی مسرت کی زندگی کے لئے قربان کردیں جو اللہ کے ہاں ملیگی؟ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۳: ۱۷) کیوں نہ دنیا کے چند روزہ لطف اور عارضی فائدوں کو اس خدا کی خوشی پر فدا کر دیں جو دراصل ہماری جان اور مال کا مالک ہے اور جو ان کے بدلے میں اس سے بہتر زندگی اور ان سے زیادہ حقیقی فائدے بخشنے والا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ

الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون (۹ : ۱۴)

(۲) خوف تو مومن کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نقصان پہونچانے اور ہلاک کرنے کی حقیقی قوت انسان یا حیوان، توپ یا تلوار، لکڑی یا پتھر میں نہیں ہے، بلکہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے تمام دنیا کی قوتیں مل کر بھی اگر کسی کو نقصان پہنچانا چاہیں اور خدا کا اذن نہ ہو، تو اس کا بال بکا نہیں ہوسکتا وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ (۲ : ۱۲) موت کا جو وقت خدا نے لکھ دیا ہے اس سے پہلے کسی کے لائے موت نہیں آسکتی وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا مؤجلا (۳ : ۱۵) اور اگر موت کا لکھا ہوا وقت آن پہنچے تو پھر وہ کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم (۳ : ۱۶) پس جب معاملہ یہ ہے تو لوگوں سے ڈرنے کے بجائے خدا سے ڈرنا چاہئے فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مؤمنین (۳ : ۱۰) وہی حقیقت میں ایسی ہستی ہے جس سے ڈرا جائے، واللہ احق ان تخشوہ (۲۳ : ۵) راہ خدا میں لڑنے سے جی چرانا تو ان کا کام ہے جن کے دل میں ایمان نہیں اس لئے کہ وہ خدا سے زیادہ بندوں سے ڈرتے ہیں، یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ (۴ : ۱۱) ورنہ جو سچے مومن ہیں وہ تو دشمنوں کے دل بادل دیکھ کر بجائے ڈرنے کے اور زیادہ شیر ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان کا بھروسہ دنیوی طاقت پر نہیں خدا پر ہے۔ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل (۳ : ۱۸)

قناعت و استغنا پھر یہی ایمان باللہ انسان کے دل سے حرص و ہوس اور رشک و حسد کے وہ رکیک جذبات بھی دور کر دیتا ہے جو اس کو جلب منفعت کے لئے ذلیل و ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر ابھارتے اور بنی نوع انسان کے درمیان فساد برپا کراتے ہیں۔ ایمان کہ ساتھ انسان

میں قناعت اور استغنا پیدا ہوتا ہے وہ دوسروں سے مقابلہ یا منافست نہیں کرتا. ظلم وعدوان کی وادیوں میں دوڑ دھوپ نہیں کرتا ہمیشہ باعزت طریقہ سے اپنے رب کا فضل تلاش کرتا ہے اور جو تھوڑا یا بہت مل جاتا ہے اس کو خدا کی دین سمجھکر قناعت کرلیتا ہے. مومن کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے. قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (۳ : ۸) رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے. اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ. (۱۳ : ۳) حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے حکمران بنادے، اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (۷ : ۱۵) عزت وذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عزیز بنادے اور جسے چاہے ذلیل کردے، تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (۳ : ۳) پھر دنیا کا یہ نظام کہ عزت، دولت، قوت، حسن، ناموری، اور دوسرے مواہب کے اعتبار سے کوئی گھٹا ہوا ہے اور کوئی بڑھا ہوا، دراصل خدا ہی کا قائم کردہ ہے خدا اپنی مصلحتوں کو خود بہتر جانتا ہے، اس کے بنائے ہوئے نظام کو بدلنے کی کوشش کرنا نہ تو انسان کے لئے مناسب ہے اور نہ اس میں کامیابی ممکن ہے وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ (۱۶ : ۱۰) وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۴ : ۵)۔

اصلاح اخلاق وتنظیم اعمال | ان سب سے زیادہ اہم فائدہ وہ ہے جو ایمان باللہ سے تمدن کو پہنچتا ہے اس سے انسانی جماعت کے افراد میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے، نفوس میں پاکیزگی اور اعمال میں پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے، لوگوں کے باہمی معاملات درست ہوتے ہیں، پابندی قانون کی حس پیدا ہوتی ہے، اطاعت، امر اور ضبط ونظم کا مادہ پیدا ہوتا ہے،

اور افراد ایک زبردست باطنی قوت سے اندر ہی اندر سدھر کر ایک صالح اور منظم سوسائٹی بنانے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں۔ یہ دراصل ایمان باللہ کا معجزہ ہے، اور اسی کے لئے مخصوص ہے۔ دنیا کی کسی حاکمانہ قوت یا تعلیم و تربیت، یا وعظ و تلقین سے اصلاح اخلاق اور تنظیم اعمال کا کام اتنے وسیع پیمانے اور اتنی گہری بنیادوں پر انجام نہیں پا سکتا۔ دنیوی قوتوں کی رسائی روح تک نہیں، صرف جسم تک ہے، اور جسم پر بھی ان کی گرفت ہر جگہ اور ہر وقت نہیں ہے۔ تعلیم و تربیت اور وعظ و تلقین کا اثر بھی صرف عقل و فکر تک محدود رہتا ہے، اور وہ بھی ایک حد تک۔ رہا نفس امارہ تو وہ نہ صرف خود اس سے غیر متاثر رہتا ہے بلکہ عقل کو بھی مغلوب کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ لیکن ایمان وہ شئے ہے جو اپنی اصلاحی اور تنظیمی قوتوں کو لئے ہوئے انسان کے قلب و روح کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے، اور وہاں ایک ایسے طاقتور اور بیدار ضمیر کو نشو و نما دیتا ہے جو ہر وقت ہر جگہ انسان کو تقویٰ اور طاعت کی سیدھی راہ دکھاتا رہتا ہے اور شریر سے شریر نفوس میں بھی اپنی ملامتوں اور سرزنشوں کا کچھ نہ کچھ اثر پہنچائے بغیر نہیں رہتا۔

یہ عظیم الشان فائدہ علم الٰہی اور قدرت خداوندی کے اُس اعتقاد سے حاصل ہوتا ہے جو ایمان کا ایک ضروری جز ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ خدا کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اور کوئی بات اس سے چھپ نہیں سکتی۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۲: ۱۴)	مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے تم جدھر رخ کرو گے ادھر اللہ موجود ہے، یقیناً اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔
اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲: ۱۸)	تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تم سب کو پکڑ بلائے گا، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ۔ (۳:۱)

یقیناً اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (۶:۷)

اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں بر و بحر میں جو کچھ ہے سب کو وہ جانتا ہے۔ ایک پتہ بھی اگر زمین پر گرتا ہے تو اللہ کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ اور زمین کی تاریک تہوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں اور کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔

وَنَحْنُ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (۵۰:۲)

ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے، اور ہم وہ باتیں تک جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کے نفس میں آتا ہے ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں

مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا۔ (۵۸:۲)

کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا خدا نہ ہو، اور کوئی سرگوشی پانچ آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چھٹا خدا نہ ہو۔ اور نہ اس سے کم یا زیادہ آدمیوں کا کوئی مجمع ایسا ہے جس میں وہ ان کے ساتھ نہ ہو خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا (۴:۱۶)

وہ لوگوں سے پردہ کر سکتے ہیں اگر خدا سے پردہ نہیں کر سکتے خدا اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ اس کی رضا کے خلاف راتوں کو چھپ چھپ کر باتیں کرتے ہیں اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اس پر خدا محیط ہے۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ (۲ : ۹)	کیا وہ نہیں جانتے کہ وہ خفیہ اور علانیہ جو کچھ بھی کرتے ہیں خدا کو اس کا علم ہے۔
وَإِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (۵۰ : ۲)	دو ضبط کرنے والے فرشتے ہر شخص کے دائیں اور بائیں بیٹھے ضبط کر رہے ہیں، کوئی بات زبان سے ایسی نہیں نکلتی کہ کوئی نگرانی کرنے والا اس کو لکھنے کے لئے تیار نہ ہو۔
سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ (۱۳ : ۳)	خواہ تم میں سے کوئی چھپا کر بات کرے یا بآواز بلند اور خواہ کوئی رات کی تاریکیوں میں پوشیدہ ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو، بہرحال اس کے آگے اور پیچھے خدا کے جاسوس لگے ہوئے ہیں جو خدا کے حکم سے ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی خوب اچھی طرح انسان کے ذہن نشین کر دی گئی ہے کہ ایک دن ضرور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ (۲ : ۲۸) وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (۲ : ۲۵) اور اس کو ہر چیز کا حساب دینا ہے، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا (۴ : ۱۱) اور اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے، إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ (۸۵ : ۵)

یہ عقیدہ جس کو طرح طرح سے دل میں بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے، اور اصل اسلام کے پورے قانون کی قوت نافذہ ہے۔ اسلام نے حرام و حلال کے جو حدود بھی مقرر کئے ہیں۔ اخلاق معاشرت اور معاملات کے متعلق جو احکام بھی دیے ہیں۔ ان کے نفاذ کا اصلی انحصار نہ فوج اور پولیس اور عدالت پر ہے، اور نہ تعلیم و تلقین پر بلکہ وہ نفاذ کی قوت اس عقیدہ سے حاصل کرتے ہیں کہ

ان کا مقرر کرنے والا وہ زبردست فرمانروا ہے جس کی قدرت اور جس کا علم ہر شئے پر حاوی ہے اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا نہ اپنے جرم کو چھپانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور نہ اس کے محاسبہ سے کسی طرح بچ سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ احکام دینے کے بعد یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے حدود ہیں۔ خبردار ان سے تجاوز نہ کرنا، تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا (۲: ۲۹) یاد رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے خدا دیکھ رہا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (۲: ۳۰)۔

(باقی)

مُسلم ریویو

یہ نہایت درجہ مبارک مفید اور بیحد معلومات سے لبریز ماہانہ رسالہ ہے جو زبان انگریزی میں لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔ علمائے اسلام و مشاہیر عالم کے پر مغز اور مدلل تحقیقات جدیدہ سے مرصع اور معقول خاص و عام مضامین اسمیں عین وقت پر شائع کئے جاتے ہیں مغربی دنیا میں اس کے مضامین نے شمع ہدایت کا کام کیا ہے اور ہزاروں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی ہے۔ یورپ، امریکہ اور انگلستان کے کتب خانوں میں اور نادار طالبان حق اور غیر مسلم حضرات کو مفت ہزاروں کی تعداد میں ماہانہ دیا جاتا ہے۔ فرق اسلامیہ کے اختلافات میں اپنا دامن نہیں الجھاتا۔ دور جدید کے پیغمبروں کا یہ ہم نوا نہیں نہ ان کی امت سے اس کو تعرض ہے۔

اس کی سرپرستی کرنا اور اس کو کثیر الاشاعت بنانا بلا لحاظ فرقہ سب مسلمانوں کا دینی فرض ہے

قیمت سالانہ صرف صہ اور طلبا سے (للعہ)

پتہ۔ منیجر مسلم ریویو ۱۶ کنگ اسٹریٹ لکھنؤ۔ (یوپی)

تعظیم کلام اللہ الکریم

از مولنا عبد اللہ العمادی

(۱)

آج کی تلویحات کا مفاد یہ ہے کہ کلام اللہ جو حیات انسانی کے لئے سرمایۂ سعادت ہے مسلمان اس کی دل سے تعظیم کریں اور یہ تعظیم ان کی جان و تن سے نمایاں ہو، اس کے لئے تعظیم کا مفہوم سمجھنے کی بھی ضرورت ہے، جس کے آغاز سے پہلے ایک تمہید کا انجام دیکھنے کے قابل ہے۔

علامہ تقی الدین احمد بن عبد القادر المقریزی ایک شہرہ آفاق مورخ ہیں جن کی کتاب "الخطط والآثار" مصر کی جغرافی تاریخ میں ماخذ مانی گئی ہے، ان کی ایک اہم تالیف "النقود الاسلامیہ" بھی ہے جس میں اسلامی سکے کی تاریخ دی ہے، ۱۲۹۸ھ میں یہ کتاب شیخ احمد فارس شدیاق کے مطبعۃ الجوائب (قسطنطنیہ) میں چھپی تھی اس تلویح کی تمہید اسی کتاب پر مبنی ہے۔

(۲)

ہجرت نبوی کے اٹھارہویں سال جو خلافت فاروقی کا آٹھواں سال تھا، اسلامی سکے مضروب ہوئے، یہ سکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرب کرائے ان میں کسی کا نقش درم الحمد للہ تھا، کسی کا محمد رسول اللہ اور کسی کا لا الہ الا اللہ وحدہٗ۔ [۱]

خلافت راشدہ میں اسی قسم کے سکے رائج تھے، بنی امیہ کے عہد میں عبد الملک بن مروان نے اس کی

[۱] - النقود الاسلامیہ- ص ۴ و ۵ -

تجدید کی اور حجاج بن یوسف نے اس کو ترقی دی، اس ذیل میں ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

كان مما ضرب الحجاج الدراهم البيض ونقش عليها "قل هو الله احد" فقال القراء قاتل الله الحجاج اى شئ صنع للناس الآن يأخذه الجنب والحائض وكانت الدراهم قبل منقوشة بالفارسية فكره ناس من القراء مسها وهم على غير طهارة وقيل لها "المكروهة" فعرفت بذلك۔

حجاج نے جو سکے ضرب کرائے ان میں چاندی کے درہم بھی تھے جن پر "قل ہو اللہ احد" نقش تھا، قاریان کلام اللہ کہنے لگے کہ "اللہ حجاج کو غارت کرے، لوگوں کے لئے یہ کیا بنا رکھا ہے، جو مرد نجس ہوں اور جن عورتوں کو طہر کی نوبت نہ آئی ہو، اب تو وہ بھی اسے لیں گے" اس سے پہلے جو درہم تھے ان پر فارسی میں نقش ہوتا تھا قاریان کلام اللہ کی ایک جماعت نے بے طہارتی کی حالت میں ان سکوں کا چھونا مکروہ قرار دیا، ان کا نام "مکروہیہ" پڑ گیا اور عرف عام نے اسی نام کو شہرت دی۔

ووقع في المدينة ان مالكا رحمه سئل عن تغيير كتابة الدنانير والدراهم لما فيها كتاب الله عز وجل فقال۔ "اول ما ضربت على عهد عبد الملك بن مروان والناس متوافرون، فما انكر احد ذلك وما رأيت اهل العلم انكروه ولقد بلغني ان ابن سيرين كان يكره ان يبيع بها ويشترى، ولم ار احداً منع ذلك ههنا" يعنى رحمه الله: اهل المدينة النبوية

مدینہ منورہ میں یہ واقعہ پیش آیا، کہ آیات قرآنی کے باعث نقش دینار و درہم کو بدل دینے کے لئے امام مالک علیہ الرحمہ سے استفتا کیا گیا، امام موصوف نے فرمایا۔ "اس طرح کے سکے پہلے پہل عبد الملک بن مروان کے عہد میں ضرب ہوئے تھے، اس زمانے میں بہتیرے بزرگان دین موجود تھے لیکن کسی ایک نے بھی اس کو برا نہ جانا میں نے دیکھا تک نہیں کہ اہل علم نے اس کی برائی کی ہو۔ البتہ مجھے یہ خبر ملی تھی کہ ابن سیرین ایسے سکوں سے خرید و فروخت مکروہ قرار دیتے تھے، اگر یہاں تو میں نے کسی ایک کو

اس کی ممانعت کرتے نہیں دیکھا۔ "یہاں" سے امام مالک کی مراد اہل مدینہ منورہ ہیں۔

وقیل لعمر بن عبد العزیز رحمه الله: هذه الدراهم البیض فیها کتاب الله یقلبها الیهودی والنصرانی والجنب والحائض فان رأیت ان تامر بمحوها۔

حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ جب خلیفہ ہوئے تو ان سے گذارش کی گئی کہ "چاندی کے ان درہموں پر کلام اللہ کی آیتیں نقش ہوتی ہیں، یہودی بھی ان سے معاملت کرتے ہیں، نصرانی بھی، نجس مرد بھی اور ناپاک عورتیں بھی اگر آپ کی رائے ہو تو نقوش آیات کے مٹانے کا حکم دیدیجئے۔

فقال۔

"اردت ان تحتج علینا الامم ان غیرنا توحید ربنا واسم نبینا صلی الله علیه وسلم"[1]

حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا:-

اس کہنے سے تمہاری غرض یہ تھی کہ دنیا کی قومیں ہم پر اعتراض کریں کہ خود ہم نے اپنے پروردگار کی توحید اور اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مٹا دیا۔

(۳)

اس طویل اقتباس سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ تعظیم کلام اللہ کے متعلق۔

اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل کیا تھا؟

امام مالک رضی اللہ عنہ کا فتوی کیا ہے؟

حضرت عمر بن عبد العزیز کیا کہتے تھے؟

دورِ عصرِ تابعین میں کہ خیر القرون کا جزوِ ثانی تھا، کلام الٰہی کے ادب کی نسبت مذہبی رائے کیا تھی؟

بے شبہ ہر مسلمان کا مقدس فرض ہے کہ اس مجموعۂ برکت و رحمت کو ادب و احترام کی نظر سے دیکھے اجلال و اکرام کے ساتھ اس کے لیے گوش بر آواز رہے، یہ بھی تعظیم ہے، لیکن اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے

[1] النقود الاسلامیہ۔ ص ۹۔

آپ ظاہری تعظیم پر زور دیجئے، چشم ما روشن۔
آپ مس مصحف کے لئے طہارت شرط کیجئے، دل ما شاد۔
لیکن عمل بھی تو ایک شرط تعظیم ہے، اس کو کیوں بھول جائیے؟

نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

تعظیم و تکریم کلام اللہ کے اگر یہی معنی ہیں۔ کہ بغیر طہارت کے تلاوت نہ کی جائے۔ بے وضو کوئی اس کو چھونے نہ پائے۔ تہ بہ تہ ریشمی جزدان اس پر چڑھے رہیں بے ادبی کے خوف سے رسالوں اور اخباروں میں اس کی آیتیں نہ لکھی جائیں۔ تو کیا اتنا کر لینے سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے؟

فرض کرو ایک شخص کا عمل قرآن پر نہیں ہے اور اس کے کردار و گفتار سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام الٰہی کی عزت سے اس کا دل بے بہرہ ہے۔ مگر ظاہری تعظیم میں وہ نہایت مبالغہ کرتا ہے اور ہمیشہ سے جو رسم و رواج چلا آتا ہے۔ اس کے مطابق مروجہ عظمت کا بڑی سختی سے پابند ہے۔ کیا تم ایک لحظ کے لئے بھی اس کی تعظیم کو قرآن کریم کی اصلی تعظیم پر محمول کر سکتے ہو؟

اصلی تعظیم ظاہرداریوں سے بے نیاز ہے اس کا منشا محض اس قدر ہے کہ آسمانی کتاب جن تعلیمات کو دنیا میں عام کرنا چاہتی ہے اور نوع انسان کی بھلائی کے لئے جو احکام اس نے مقرر کر رکھے ہیں۔ ان کی پابندی کی جائے۔

قرآن اس لئے نہیں اترا تھا کہ لوگ اس کو آنکھوں سے لگانے اور سر پر رکھنے کو کافی سمجھیں قرآن کے نازل ہونے کی خاص غرض یہ تھی کہ دنیا اس کی روشنی سے منور ہو اور اہل دنیا اس کو اپنے معاملات کا دستور العمل بنائیں۔

———(۴)———

ظاہری عظمت کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ خود قرآن کریم نے لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔

(پاکوں کے سوا کوئی اس کو چھونے نہیں پاتا) کی تاکید کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آیت کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ کفار کو اعتراض تھا۔ کہ قرآن منجانب اللہ نہیں ہے۔ یہ بنائی ہوئی باتیں ہیں خدا نے اس وہم کی تکذیب کی اور فرمایا کہ:۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ۔ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ۔ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ۔ (سورہ واقعہ۔ رکوع ۳ آیت ۷۷، ۸۲)

یہ قرآن تو بڑی بزرگی کا قرآن ہے۔ محفوظ کتاب میں موجود ہے۔ پاکوں کے علاوہ کوئی اس کو چھونے نہیں پاتا پروردگار عالم کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ کیا تم اس کلام سے منکر ہو اور تم نے اپنا راتب باندھ لیا ہے کہ (اس کو) جھٹلاتے ہی رہوگے۔

آیت میں صاف مذکور ہے کہ کفار کو اس پاک کلام کے کلام اللہ ہونے سے انکار تھا اور انہوں نے اس کے جھٹلانے کو اپنا فرض قرار دے رکھا تھا جس کے جواب میں بتایا گیا۔ کہ یہ لوح محفوظ میں بڑی احتیاط سے لکھا ہوا موجود ہے۔ اور خدا کے پاک نفس بندوں کے علاوہ کوئی اس کو چھونے تک نہیں پاتا پھر اس میں کمی وبیشی کی گنجائش کہاں رہی۔ اور کوئی اس کو جھٹلا کیونکر سکتا ہے؟

(۵)

اس آیت کی تفسیر میں متعدد حدیثیں مذکور ہیں۔

حضرت ابن عباس وجابر بن زید و ابو نہیک سے روایت ہے کہ "وہ قرآن جو آسمان پر ہے پاکوں کے علاوہ کوئی اور اسے نہیں چھو سکتا"

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ "مطلب یہ ہے کہ قرآن ایسی محفوظ کتاب ہے کہ اس پر غبار تک نہیں آسکتا"

ضحاک کہتے ہیں کہ "کفار کو گمان تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر شیاطین نے قرآن نازل کیا ہے

اس کا جواب ملاکہ وہ تو محفوظ کتاب ہے۔ پاکوں کے علاوہ تو اس کو کوئی چھو تک نہیں سکتا۔ وہاں کسی کی دسترس کہاں"۔

سعید ابن جبیر و عیسیٰ ابو نہیک و جابر بن زید و مجاہد نے ۔ لا یمسہ الا المطھرون۔ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ "اس سے مراد فرشتے ہیں"۔

ابو العالیہ و ابن زید و قتادہ نے روایت کی ہے کہ " یہ مطلب کہ پاکوں کے سوا کوئی قرآن کو چھونے نہیں پاتا۔ اس میں پاکوں سے خدا کے پاک فرشتے۔ مقدس پیغمبر اور پاکیزہ خصال و پرہیزگار بندے مراد ہیں اور قرآن سے وہ قرآن مراد ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے، ورنہ دنیا میں تو اس کو ناپاک مجوسی اور گندے منافق بھی چھوتے ہیں"۔

اسی طرح کی اور بہت سی روایتیں تفسیر ابو جعفر ابن جریر۔ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۶ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

آیت میں نہ صیغۂ نہی وارد ہے اور نہ معنوی نہی کی صورت نکلتی ہے بات صرف اتنی تھی کہ قرآن کریم کے محفوظ و منجانب اللہ ہونے کا یقین دلانا تھا۔

(۶)

ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں کہ قرآن کریم کی ظاہری تعظیم ترک کر دی جائے۔ مدعا صرف اس قدر ہے

(۱) مسلمانوں کا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہئے حیف ہے کہ ظاہر میں تو قرآن کریم کا ہم اس قدر ادب کریں کہ جبتک وضو و غسل نہ ہو اس کو چھونا اور اس کے الفاظ کا زبان پر لانا ممنوع سمجھیں اور باطن کا یہ حال ہو کہ تعلیمات قرآنی سے ہماری روش اتنی مخالف رہے کہ گویا دل کو یہ بھی یقین نہیں۔ کہ یہ کلام خدا کا کلام ہے اور اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ہم پر فرض ہے۔

۲۔ اصل تعظیم یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام پر ہمارا عمل ہو، اور ظاہری تعظیم یہ ہے کہ کلام الٰہیٰ

عمل کرنے کے ساتھ کلام اللہ کے مروج احترام میں بھی کوئی دقیقہ رہ نہ جائے باطن وظاہر دونوں حیثیتوں سے ہم پر وہ دونوں حدیثیں صادق آئیں جن میں ایک سے کان عمله القران کی ترغیب نکلتی ہے اور دوسری تخلقوا باخلاق اللّٰہ کی ہدایت کرتی ہے ظاہر ہے کہ اخلاق اللہ سے تخلق بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ہم کلام اللہ سے رجوع کریں اور باطن وظاہر ہر حیثیت سے اس کی تعظیم بجا لائیں

۳۔ یہ نہایت مخدوش استدلال ہے کہ "فلاں بزرگ جو تنکا نظر آتا تھا اس کو اٹھا لیتے تھے کہ یہ الف کی شکل اور یہ ب کی صورت ہے۔ فلاں بزرگ نے سن کے کھیت میں داخل ہوتے ہی جوتا اتار لیا کہ اس کا کاغذ بنتا ہے اور اس پر قرآن شریف لکھا جاتا ہے میں اس میں جوتا پہنے کیوں کر چلوں" بے شبہ یہ واقعات ان بزرگوں کے کمال احترام کا نتیجہ ہیں۔ مگر جہاں وہ اس ظاہری ادب کے پابند تھے وہاں کلام اللہ کی اصلی عظمت بھی ان کے دل میں اس قدر تھی کہ تمام عادات و اطوار اسی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اسی کے نمونے بنے ہوئے تھے۔

۴۔ ظاہری تعظیم (یعنی بے طہارت نہ چھونے) کے لئے قرآن کریم سے جو دلیل پیش کی جاتی ہے اس سے یہ مقصد نہیں ثابت ہوتا۔

۵۔ جو لوگ خدانخواستہ آیات قرآنی کی بے حرمتی کرتے ہیں وہ خود گنہگار ہونگے لیکن اس خوف سے یہ مناسب نہیں کہ مسلمانوں کی تحریر و تقریر میں آیتیں آنے ہی نہ پائیں۔ خدائے تعالیٰ کے احکام میں تو ابھی تک اس ممانعت کی تصریح نظر نہیں آئی۔

۶۔ یہ فتویٰ کہ "بجائے آیت نقل کرنے کے سورہ و آیہ کا نمبر لکھ کر اس کے ترجمہ کا حوالہ دیدیا کریں" شاید ان راسخ الاعتقاد مسلمانوں کے لئے تشفی بخش نہ ہو جن کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے کسی جزو کا ترجمہ بغیر اصل عبارت کے لکھنا اس لئے قابل احتراز ہے کہ ممکن ہے کسی وقت میں یہ رواج عام ہو جائے۔ انجیل و تورات کی طرح قرآن کے لئے بھی لوگ صرف ترجمہ کافی سمجھنے لگیں اور انہیں کی طرح مبادا اس میں

بھی تحریف کی گنجائش نکل آئے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ کیا تعظیم صرف قرآن کے الفاظ کی ہونی چاہیئے اس کے مطالب کی نہ ہونی چاہیئے۔ لفظ کی عظمت میں اگر معنے کا دخل ہے تو کیا وجہ ہے کہ کلام اللہ کے صرف الفاظ مقدس مانے جائیں۔ لفظ و معنی اگر دونوں مقدس و متبرک ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ آیات قرآنی کے الفاظ تو اس لئے نہ لکھے جائیں۔ کہ ان کی بے ادبی ہوگی اور معانی ترجمہ کر کے اس لئے لکھدے جائیں۔ کہ اس کی بے ادبی ہوئی بھی تو کچھ مضایقہ نہیں۔

تفسیر سورۂ کوثر

از

مولنا عبدالقدیر صدیقی استاذ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ۔ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ۔

ولید بن مغیرہ، جس کی اولاد بھی بہت تھی، مال بھی بکثرت تھا، جس کے متعلق ہے وجعلت لہٗ مالا ممدودا۔ وبنین شھودًا، حضرت کے صاحبزادوں کے انتقال پر حضرت کو طعنہ دیتا۔ کہ۔ ان کی اولاد تو ہے ہی نہیں، کہ آگے ان کا نام چلتا ان کی یادگار رہتی۔ حضرت کو اس کے یہ طعنے ناگوار گذرتے۔ حضرت کی تسلی کے لئے اللہ تعالی نے چھوٹی سی جامع سورت آتاری جس میں اس کا کافی شافی جواب ہے۔

واضح ہو کہ اولاد تین قسم کی ہوتی ہے:۔

(۱) سپوت جو باپ سے زیادہ کام کرے۔ اس سے زیادہ نامور ہو۔ اس سے زیادہ کمالات رکھتا ہو

۲۔ پوت جو باپ کے برابر کمالات رکھے۔ جس کا کارنامہ باپ کے برابر ہو۔

۳۔ کپوت جس کے کام باپ کے کام کے مساوی نہ ہوں۔ نہ باپ کی خوبی ہو۔ نہ اس کی عظمت ہو۔ ایسا بیٹا باپ کے لئے مایۂ ناز نہیں ہو سکتا۔ ایسی اولاد باپ کے کس کام کی؟ ایسی اولاد ہو بھی تو کیا حاصل! اب ذرا بولو۔ جو بے نظیر ہو۔ تمام کمالات کا جامع ہو۔ جس کا کارنامہ ناقابل زیادت ہو۔ جس کی یادگاریں قیام قیامت تک رہنے والی ہوں۔ جس کے آثار مٹنے والے نہ ہوں۔ اس کی اولاد نہ سپوت ہو سکتی ہے نہ پوت۔ رہی کپوت اولاد وہ ناقابل فخر ہے۔ ناقابل اعتداد ہے۔

ولید بن مغیرہ کا یہ سمجھنا کہ نام باقی رہنے کے لئے اولاد ضرور ہے۔ غلط ہے۔ بالکل لغو ہے۔

عالم کا نام اس کی کتابوں سے۔ سپاہی کا نام اس کے شجاعانہ کارنامے سے۔ مصلح کا نام اس کی اصلاحات کی وجہ سے۔ بادشاہ کا نام اس کی فتوحات سے۔ خدا پرست کا نام اس کی عبادت و تقوی کے ذکر سے باقی رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْکَوْثَر۔ اے حبیب کریم ہم نے تو تم کو سب کچھ دیدیا ہے۔ کونسی خوبی ہے کونسا کمال ہے جو تم کو نہیں ملا۔ کونسی ما بہ الافتخار صفت ہے جو تم میں موجود نہیں۔ تم فخر دو عالم ہو۔ سید ولد آدم ہو۔ آدم ومن دونہ تحت لوائی تلك الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض۔ ہم نے تمہارے نور کو سب سے پہلے پیدا کیا۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ تم کافتہ الناس کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہو۔ تمہارا دین نہ کسی خاندان سے مخصوص ہے نہ کسی ملک سے۔ وما ارسلنٰك الا کافتہ للناس تم طالبین کو ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں فلاں قوم کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ اور بیٹوں کی روٹی کتوں کے سامنے نہیں ڈالتا۔ تمہارا دروازہ سب کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ تم سب کے روحانی باپ ہو سب کی روحانی پرورش تمہارے فرایض میں سے ہے انا من نور اللہ وکلھم من نوری۔ وما یدریك لعلہ یزکیٰ۔ او یذکر فتنفعہ الذکری۔ تمہارا دین محدود زمانہ کے لئے نہیں بلکہ ابد الآباد کے لئے ہے۔ تمہارا دین کبھی منسوخ نہ ہوگا۔ تم خاتم الانبیا ہو تمہارے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ دجال ہوگا جو ایسا دعوی کریگا ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ (قال لعلی) انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب۔ جہاں تمہارا دین ابدی ہے وہاں تمہارا معجزہ یعنے قرآن مجید بھی ابدی ہے۔

جب تمہارا کمال خود تمہاری اولاد کی بقا کا منافی ہے ؎

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے　　آئینہ کیا مجال جو صورت دکھا سکے

تو کیا پروا تمہارا دین تمہاری یادگار ہے قرآن مجید تمہاری یادگار ہے۔ تمہاری تعلیم تمہاری یادگار ہے۔ تمہارے امتی تمہارے نام لیوا۔ تمہارے دامن گرفتوں کی کیا کمی ہے؟ وہی تمہاری یادگار ہیں۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ ذرا اپنے پروردگار کے لئے نماز اور حج وقربانی تو کرد دیکھو کتنے لوگ جمع ہوتے ہیں اور تمہاری یادگار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مکہ کے رہنے والے مہاجرین ابوبکرؓ۔ عمرؓ عثمانؓ۔ علیؓ۔ مدینہ کے رہنے والے انصار انس بن مالک۔ سعد بن عبادہ۔ ابو ایوب۔ قدیم اہل کتاب ابی بن کعب۔ عبداللہ بن سلام۔ ایران کے سلمان، حبش کے بلال۔ شام کے صہیب۔ تمہارے نام لیوا ہیں۔ ملک ملک کے باشندے۔ قوم قوم کے افراد۔ رنگ رنگ کے آدمی سب تمہارے احکام کے پابند۔ تمہارے چشمۂ تعلیم سے سیراب۔ تمہارے فیض تربیت سے بہرہ ور ہیں۔ دنیا میں کون ہے جس کی یادگار اتنی عظیم الشان ہے جسمانی اولاد نہیں نہ سہی۔ روحانی اولاد ہے اور کس کثرت سے ہے دن دونی رات چوگنی ترقی پر ہے۔ نمازیں اور حج وقربانی میں۔

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔ تمہارے بیری تمہارے دشمن، تم کو طعنے دینے والے ولید بن مغیرہ ہی کا انجام برا ہے۔ علی بن ابی طالب کے ہاتھ سے مارا جائیگا۔ اس کا مال رہے گا نہ اس کی اولاد نہ کوئی نام لیوا باقی رہے گا۔ نہ یادگار۔ ہاں اس کی شرارت وخباثت کی داستان زبان زد خلائق رہیگی برائی میں بھی اس کا نام لیا جائیگا تو اے حبیب تیرے نام کے طفیل سے۔ ورنہ ہزارہا کفار مر گئے کوئی انکا نام تک نہیں جانتا۔

اب ذرا ایک ایک لفظ پر غور کرو کہ ہر لفظ اپنے مقام پر کیسا پیوستہ ہے۔ کہلانے سے ذرا انہیں ہٹا جس طرح نگینہ انگشتری میں جڑا جاتا ہے ہر لفظ اپنے محل پر جڑا ہوا ہے۔ إِنَّ بیشک۔ ضرور۔ یقینا۔ البتہ زور پیدا کرنے اور تاکید کے لئے آیا ہے۔ جب کوئی بات ایسی ہوتی ہے کہ لوگ مشکل اس کا یقین کر سکتے

ہوں تو اس پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کی تاکید کی جاتی ہے۔ چونکہ اس میں مستقبل کی پیش گوئی ہے۔ حضرت کی یادگار کا باقی رہنا، ان کے دین کا، ان کے نام لیواؤں کا سلسلہ قیام قیامت تک جاری رہنا، اور ولید بن مغیرہ کا بد انجام، بے نسل ہو جانا اس صورت میں بیان کیا گیا ہے لہذا تاکید کے لئے ان سے ابتدا کی گئی ہے۔

اعطینٰکَ۔ ہم نے تمکو دیدیا عطو کے معنے ہیں پکڑنا۔ امرؤ القیس کہتا ہے۔

وتعطو برخص غیر شثن کانہ اساریع ظبی او مساویک اسحل

ایتا کے معنے بھی "وہ ہم نے دیا" کے ہیں۔ مگر اعطینا کے معنے میں قبضہ کرا دینا متضمن ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہبہ میں قبضہ شرط ہے اور وہی ہبہ مکمل ہوتا ہے جس میں موہوب پر قبضہ کرا دیا جائے۔

اعطینا میں نسبت اعطیت کے عظمت و جبروت زیادہ ہے جس سے خدائی لہجہ، آسمانی دبدبہ ظاہر ہوتا ہے۔

الکوثر۔ بہت کچھ۔ خیر کثیر۔ اس کا مادہ کثُر و کثرۃ ہے۔ کسی نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ کوثر ایک حوض ہے جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے قیامت کے دن شدت گرمی میں تشنہ لبوں کو حضرت اس حوض سے پانی پلائیں گے۔ حضرت عباس نے کہا کہ خیر کثیر میں وہ حوض بھی داخل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت میں ایک نہر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد شفاعت ہے ولید بن مغیرہ کو قیامت کے دن شفاعت محمدی دیکھکر معلوم ہوگا کہ کون صاحب خیر کثیر ہے؟ کس کے متعلقین زیادہ ہیں؟ اور کون بد انجام بے نام و نشان ہے؟ بہر حال کوثر ہے تو ایک لفظ۔ مگر ہر قسم کے خیر کو متضمن، اور انواع عطایا کو شامل ہے۔

فصلِّ لربّکَ۔ ف۔ پس۔ جب ہم نے تم کو سب کچھ دیدیا تو تم بھی کچھ کام کرو۔

صَلِّ۔ نماز پڑھو۔ لِرَبّکَ۔ اپنے رب کے لئے۔ . . . . . . رب کے معنی ہیں۔ پرورش کرنا

کمال کو پہنچانا جب اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے تو وہ ضرور تم کو کمال کو پہنچائے گا۔ خیر کثیر سے سرفراز کریگا۔ قیامت تک تمہارا نام باقی رکھے گا۔ تو اپنے رب کی عبادت تم کو کرنی چاہئے۔

فوراً عبادت کرنے کا اس لئے حکم دیا گیا۔ کہ ہبہ کا فوراً معاوضہ کر دیا جائے تو وہ ہبہ ناقابل رد ہو جاتا ہے۔

لفظ رب میں علامت عطار خیر کثیر بھی ہے اور علت اقامت صلوٰۃ و حج بھی فضل اللہ کہنے سے یہ لطیفہ وفائدہ نہیں نکلتا۔

وانحر۔ قربانی دے۔ نحر کے معنے ہیں اونٹ کی قربانی کے۔ نحر جزو ارکان حج ہے یہاں جزو کہکر کل مراد لیا گیا ہے اور نحر کنایہ ہے حج سے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ و حج کو اس لئے ذکر فرمایا۔ کہ زکوٰۃ وصوم انفراداً ادا کئے جاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ و حج اجتماعاً صلوٰۃ و حج سے حضرت کی تعلیم حضرت کی یادگار کے قائم ہو جانے، مکے مدینے پر حکومت اور کافروں کی شکست پر دلالت نکلتی ہے۔ آج اگر ولید بن مغیرہ ہوتا یا حضرت کے آخر زمانے میں ہوتا تو اس پیش گوئی کو آنکھوں سے دیکھ لیتا۔ مگر نہیں قیامت قریب ہے میرے سرکار کی کامیابی، اور انتہائی اعزاز، کثرت تابعین کی نمائش کا دن تو قیامت ہی کا دن ہے۔ خود پسند خود سر و نیدوہاں حضرت کے اعزازات کو دیکھ ہی لے گا۔

ان شانئك۔ بیشک تمہارا دشمن تم کو حقیر جاننے والا، طعنے دینے والا۔

هوالابتر۔ بتر کے معنے ہیں آخر سے کاٹنا، اس سے مراد ہے، بے نسل، لاولد بے یادگار، بدانجام۔ مغیرہ حضرت کو ابتر کہا کرتا تھا۔ وہی لفظ اس پر پلٹایا گیا ہے کہ وہی ہے ابتر۔ ذرا دیکھو کہ انّ حرف تاکید، ہو ضمیر فصل۔ الابتر کا ال کس طرح قصر قلب پر دلالت کرتے ہیں۔ اس جملے میں کتنی تاکید ہے کیا زور ہے۔

شانئ - کے عوض اگر مغیرہ کا لفظ رہتا تو حضرت سے شنآن یعنے عداوت و تحقیر کا اظہار نہ ہوتا، ابتر ہونے کی علت ظاہر نہ ہوتی۔ نیز اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ کچھ مغیرہ کی خصوصیت نہیں جو حضرت سے عداوت کرے گا، حضرت کی تحقیر کرے گا، وہ بے خیر ہوگا، اس کا انجام یقیناً برا ہوگا، وہ تباہ ہوگا برباد ہوگا۔

کلام القرآن

از جناب مولوی اکرم علی محمدی صاحب

قرآن مجید کی آیات کو روزمرہ کی بول چال میں رواج دینے کی تجویز، ایک عمدہ تجویز ہے جسے بعض احباب نے ترجمان القرآن میں پیش کیا ہے۔ اب اس چیز کا رواج مسلمانوں سے اُٹھ گیا ہے۔ مگر ایک زمانہ میں جب کہ قرآن سے مسلمانوں کا شغف بہت بڑھا ہوا تھا قرآنی آیات اور قرآنی الفاظ بکثرت زبانوں پر چڑھ گئے تھے۔ اور عام طور پر بول چال میں استعمال ہوتے تھے بعض بزرگوں کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ آیات قرآن ہی میں بول چال کیا کرتے تھے چنانچہ حضرت ابن المبارک نے خود اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو ایک ضعیفہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سفر حج سے واپسی پر ایک سن رسیدہ خاتون سے میری ملاقات ہوی میں نے اس کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

ابن المبارک۔ آپ کس شغل میں ہیں؟

ضعیفہ۔ وَمَن يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ (اعراف) یعنی جس کو اللہ نے بھٹکا دیا ہو اس کے لئے کوئی رہبر نہیں۔ (مطلب یہ تھا کہ میں راستہ بھول گئی ہوں)۔

ابن المبارک۔ آپ کہاں جانے کا ارادہ رکھتی ہیں؟

ضعیفہ۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى (بنی اسرائیل) یعنی پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ وہ حج سے فارغ ہو کر بیت المقدس جانا چاہتی تھیں)۔

ابن المبارک۔ آپ یہاں کتنے روز سے مقیم ہیں؟

ضعیفہ۔ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا (مریم) یعنی مسلسل تین راتیں گذر گئی ہیں۔

ابن المبارک۔ میں آپ کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دیکھتا؟

ضعیفہ۔ هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ۔ (شعراء) یعنی خدا ہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

ابن المبارک۔ اس جنگل میں وضو کیسے کرتی ہوگی؟

ضعیفہ۔ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا (مائدہ) یعنی حکم ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔

ابن المبارک۔ میرے پاس کھانا ہے۔ آپ نوش فرمائیں گی؟

ضعیفہ۔ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ۔ (بقرہ) یعنی روزوں کو رات آنے تک پورا کرو۔ (مطلب یہ تھا کہ میں روزے سے ہوں)۔

ابن المبارک۔ مگر یہ رمضان کا مہینہ تو نہیں ہے۔

ضعیفہ۔ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔ (بقرہ) مطلب یہ تھا کہ یہ نفل روزہ ہے۔ رضاکارانہ رکھا گیا ہے۔

ابن المبارک۔ سفر میں تو اللہ نے افطار کی اجازت دی ہے۔ پھر آپ روزے کی تکلیف کیوں اٹھاتی ہیں؟

ضعیفہ۔ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (بقرہ) اگر تم سمجھ سے کام لو تو معلوم ہو جائے کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے اچھا ہے۔

ابن المبارک۔ میں جس طرح بات کرتا ہوں اس طرح آپ کیوں نہیں کرتیں؟

ضعیفہ۔ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق) آدمی کی زبان سے جو

لفظ بھی نکلتا ہے اس کی نگرانی کے لئے ایک فرشتہ تیار رہتا ہے۔

ابن المبارک۔ آپ کس قبیلے سے ہیں؟

ضعیفہ۔ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل) جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کان، آنکھ، دل سب سے سوال کیا جائیگا۔

ابن المبارک۔ معاف فرمائیے۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوی کہ ایسا سوال کیا۔

ضعیفہ۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (یوسف) اب تم پر کچھ سرزنش نہیں اللہ تمہیں معاف کرے۔

ابن المبارک۔ آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنی اونٹنی پر بٹھادوں تاکہ قافلہ سے جا ملیں۔

ضعیفہ۔ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ۔ (بقرہ) تم جو نیکی بھی کروگے اللہ اس کو جانتا ہے

چنانچہ وہ ضعیفہ سوار ہوگئیں اور یہ آیت تلاوت کی: سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (زخرف)۔

ابن المبارک فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں بلند آواز سے اشعار پڑھ کر اونٹ کو دوڑانے لگا تو اس ضعیفہ نے مجھ کو تنبیہ فرمائی فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (مزمل) جہاں تک ہوسکے قرآن پڑھو۔

آخر ہم چلتے چلتے قافلے سے جا ملے میں نے پوچھا آپ کے رشتہ دار کون کون ہیں؟

ضعیفہ۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (کہف) اس سے معلوم ہوا کہ قافلے میں ان کا سامان اور ان کے بیٹے ہیں۔

ابن المبارک۔ آپ کے بیٹے کیا کام کرتے ہیں؟

ضعیفہ ۔ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (نحل) مطلب یہ کہ قافلہ والوں کے رہبر ہیں۔

ابن المبارک ۔ ان کے نام بتائیے۔

ضعیفہ ۔ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۔ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۔

حضرت ابن المبارکؒ سمجھ گئے کہ ان کے بیٹے ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ نامی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قافلہ میں ان لوگوں کے نام لے کر پکارا اور وہ اپنی ماں کے گرد جمع ہوگئے۔ ماں نے بیٹوں کو خطاب کرکے کہا فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ ۔ (کہف) ۔ تم اپنے میں سے کسی کو یہ سکہ دیکر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ دیکھے کس کے ہاں اچھا کھانا ہے۔ اور اس سے کھانا لے آئے۔

اس حکم کے مطابق ایک لڑکا بستی میں گیا اور کھانا لے آیا۔ ابن المبارکؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ کھانا کھانے سے پہلے مجھ کو ان اعجوبہ روزگار ضعیفہ کے حالات بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری ماں ہیں۔ چالیس برس ہوچکے ہیں کہ انہوں نے بجز آیات کلام اللہ کے اور کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا ہے۔ جو کچھ گفتگو کرتی ہیں۔ قرآن ہی سے کرتی ہیں۔ یہ سن کر میں ششدر رہ گیا۔ اور یہ کہتا ہوا ان کے خیموں سے واپس ہوا کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

آج دنیا میں سینکڑوں ہزاروں علما اور حفاظ قرآن موجود ہیں۔ مگر کلام اللہ پر اتنے عبور کی مثال شاید ہی کہیں مل سکے۔

نقد و نظر

مسلم ریویو | ایڈیٹر سید عابد حسین صاحب نقوی. بی اے بی ایل. قیمت سالانہ صہ (روپے ۳) طلبہ سے ملنے کا پتہ ۔ ۱۶ کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ۔

زمانہ حال میں نہ صرف غیر مسلموں بلکہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو بھی اسلام کی تعلیمات اور اس کی تہذیب و تاریخ کے صحیح خدوخال سے روشناس کرانے کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان میں اعلیٰ درجہ کے رسالے شائع کئے جائیں، اور ان میں ایسے لوگ مضامین لکھیں جو علوم جدیدہ کے ساتھ اسلامی علوم پر صحیح نظر رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ فریقانہ تنگ نظری سے آزاد بھی ہوں۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی جانب سے "مسلم ریویو" اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جاری ہوا ہے۔ اور اس کے گذشتہ چند پرچوں کو دیکھ کر ہم مطمئن ہیں کہ اس نے اپنے فرض کے احساس اور اس کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کی ہے۔ اگرچہ ابھی مضامین کا معیار اور زیادہ بلند کیا جاسکتا ہے۔ اور تحقیق و تبیین کے اعلیٰ مدارج تک ترقی کرنے کی ابھی بہت کچھ ضرورت ہے لیکن اس کمی کی ذمہ داری ایڈیٹر اور منتظمین پر نہیں بلکہ ملک کے ان اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں پر ہے جو ان کا ہاتھ بٹانے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ امید ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان اس مفید رسالے کو ترقی دینے کی کوشش کرینگے۔

اسرار تصوف | ایڈیٹر ملک حسن الدین صاحب۔ قیمت سالانہ ۲ہ۔ مقام اشاعت نقشبندیہ منزل کشمیری بازار۔ لاہور۔

ملک صاحب اردو میں تصوف پر بہت سی کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اس نام سے ایک ماہانہ رسالہ بھی شائع کرنا شروع کیا تھا۔ پھر بند ہو گیا۔ اب گذشتہ ماہ اکتوبر سے دوبارہ جاری ہوا ہے۔ اس میں تصوف کی بعض مستند کتابوں کے مسلسل ترجمے درج کئے جاتے ہیں۔ ہر پرچہ میں

مشائخ نقشبندیہ کے تذکرے بھی ہوتے ہیں۔ اور بعض مسائل تصوف پر مستقل مضامین بھی لکھے جاتے ہیں۔ مگر رسالہ کی ترتیب مضامین کے انتخاب اور انداز تحریر میں قدامت بہت ہے۔ زمانہ کی ضروریات اور حالات کے تغیر کا لحاظ کئے بغیر جو کام کیا جائیگا، کامیاب نہ ہوگا۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ انگریزی میں تھیاسوفی اور اسپریچول ازم وغیرہ پر جو رسالے شائع ہوتے ہیں ان کی نقل کی جائے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اسی پرانی شراب کو نئے گلاسوں میں پیش کیا جائے تاکہ ان گلاسوں کی لاگ سے طبائع اس شراب کو بطیب خاطر قبول کرائیں۔

ہمدرد صحت ایڈیٹر حکیم حاجی عبدالحمید صاحب۔ حجم چالیس صفحات۔ قیمت ۸؍۔

ملنے کا پتہ۔ ہمدرد منزل۔ بازار لال کنواں دہلی۔

یہ ایک ماہوار طبی رسالہ ہے جو ہمدرد دواخانہ دہلی کے زیر اہتمام چند سال سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اتبک جتنے پرچے شائع ہوئے ہیں مفید مضامین پر مشتمل ہیں عوام کو حفظان صحت کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچانے کے لئے یہ ایک اچھا ذریعہ ہے۔

الاسلام اڈیٹر جناب سید نذیر الحق صاحب قادری۔ حجم ۴۰ صفحات۔ قیمت سالانہ دو روپے دفتر الاسلام چک ۳۱؍ جھنگ برانچ ضلع لائل پور۔

مذہبی اور تبلیغی رسالہ ہے ماہ اکتوبر ۳۳ئہ سے جاری ہوا ہے مضامین دلچسپ اور مفید ہیں جن مقاصد کا اظہار کیا گیا ہے اگر ان میں کامیابی ہوگئی تو رسالہ بہت اچھا ہو جائے گا۔

الدین اڈیٹر جناب علی مہدی صاحب ایم اے۔ حجم ۳۲ صفحات قیمت سالانہ عہ۔

پتہ:۔ مدرسہ ایمانیہ ناصریہ جونپور۔ یہ حضرات شیعہ کا رسالہ ہے۔ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے۔ مضامین کے سوا دو مستقل مذہبی کتابوں (الشافی فی شرح اصول الکافی اور ذخیرۃ العقبیٰ) کا ترجمہ بھی باقساط شریک اشاعت ہوتا ہے۔

صوبہ بہار کی بے شمار مسجدوں کی شہادت

مسلم ایوان تجارت صوبہ بہار و اڑیسہ کی اپیل

مسلم ایوان تجارت بہار و اڑیسہ کی رائے ہے کہ زلزلہ سے جو تباہی باشندگان شمالی و جنوبی بہار و اڑیسہ پر خصوصیت کیساتھ آئی ہے اس کی امداد کیلئے حتی الامکان فرقہ وارانہ اصول پر کوئی کمیٹی قائم نہ کی جائے، بلکہ بغیر امتیاز مذہب اور قومیت انسانیت کی بناء پر خدمت کی جائے لیکن اس سلسلہ میں صوبہ کی مسجدوں پر جو تباہی آئی ہے وہ خاص مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے اور انہیں بغیر کسی غیر مسلم امداد کے یہ اسلامی فرض عائد ہوتا ہے کہ ان مسجدوں کو از سر نو تعمیر کریں۔ اس زلزلہ کے باعث صوبہ کی بیشتر مسجدیں یا تو شہید ہو گئیں، یا ان کا کچھ حصہ برباد ہو کر نہایت مخدوش حالت میں ہے صرف ایک شہر پٹنہ میں تقریباً ۱۵۰۰ مسجدیں تھیں، جن میں سے چودہ سو مسجدیں یا تو بالکل شہید ہو چکی ہیں، یا ان کا کچھ حصہ برباد ہو گیا ہے۔ اس سے آپ صوبہ کی بقیہ مسجدوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ انہیں شکستہ مساجد میں اللہ کے نیک بندے بغیر کسی خوف و ہراس کے نماز ادا کرتے ہیں، اور باوجود اس کے کہ مسجدوں کی عمارتیں نہایت مخدوش حالت میں ہیں مگر پھر بھی نماز پنجگانہ فرداً فرداً یا جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہے، لیکن یہ صورت حال کب تک رہے گی برسات قریب ہے اور اس کے آنے سے پہلے ان مسجدوں کی تعمیر یا مرمت از بس ضروری ہے، ورنہ خوف ہے کہ جو صورت حال باقی ہے، وہ بھی نہیں رہے گی، اور اس وقت جتنے روپیہ کی ضرورت ہے کل اس سے دو چند اور سہ چند ضرورتوں میں اور اضافہ ہو گا۔

تعمیر کی ضرورت تو بعد کی ہے ابھی فی الفور اس کی اشد ترین ضرورت ہے کہ مسجدوں کا وہ حصہ جو نہایت مخدوش حالت میں ہے، گرا دیا جائے اور اس خطرناک حالت کو دور کر کے اس لائق بنا دیا جائے، کہ جن مسجدوں میں اس خدشہ کے باعث کچھ نمازی جانے سے مجبور ہیں، بلاخوف و اندیشہ جائیں اور اللہ کی بندگی بجا لائیں۔

اس لئے مسلم چیمبر آف کامرس کے اراکین تمام مسلمانوں سے پر زور درخواست کرتے ہیں کہ وہ صورت حال پر غور فرمائیں اور اللہ کی خوشنودی اور رضا کیلئے اللہ کا گھر بنانے کو تیار ہو جائیں۔

عام مسلمانوں سے گذارش ہے کہ جلد از جلد جو رقم انفراداً یا جماعت کیساتھ ممکن ہو جمع کر کے روانہ فرمائیں تاکہ یہ خالص اسلامی کام بغیر کسی تاخیر اور توقف کے فوراً شروع کر دیا جائے۔ اس کار خیر میں تمام مسلمانوں کی شرکت کیلئے ایک مخصوص دن تعمیر مساجد کا عنقریب اعلان کیا جائے گا جس دن ہندوستان کے سارے مسلمانوں سے درخواست ہو گی کہ وہ اس دن ہر مسلمان سے اس کار خیر میں شرکت کی درخواست کریں اور اس طرح اس اسلامی فرض سے بھی سبکدوش ہوں اور عند اللہ مستحق اجر۔ ان اجری الا علی اللہ

تعمیر مساجد کیلئے جو رقم بھیجی جائے اس میں زکوٰۃ کا روپیہ نہ ہونا چاہیئے۔

عبد المجید، بی۔ اے۔
سکرٹری مسلم ایوان تجارت صوبہ بہار و اڑیسہ بانکی پور (پٹنہ)

Registered No. M. 2950

رجسٹر نمبر آصفیہ (۱۲۰)

قواعد

رسالہ "ترجمان القرآن" بالعموم ہر ہجری مہینے کی ۱۵ر تاریخ کو شائع ہوا کریگا مہینہ کی ۲۲ر تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے وہ دوبارہ لکھکر منگواسکتے ہیں ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہوں گی انکو پرچہ قیمتاً دیا جائیگا

رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے۔ لہذا کوئی صاحب رعایت کا مطالبہ نہ کریں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز

اشاعت کیلئے مضامین اور حل طلب شکوک تمام اڈیٹر کے نام سے بھیجے جائیں لیکن اڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر چیز شائع کرے

منیجر "ترجمان القرآن"

خیرت آباد۔ حیدر آباد (دکن)

طابع و ناشر

ابو الاعلیٰ مودودی

(مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدر آباد دکن)